مشاہیر قندہار

سلطنت دکن کے مشہور و معروف اور مردم خیز خطہ قندہار شریف
کے معزز خاندانوں اور ان کے ان باکمال و مایۂ ناز افراد کا اجمالی
تذکرہ جو سرزمین دکن میں صدیوں سے تصوف و عرفان، علم و فضل، اور
شعر و سخن کے علمبردار رہے ہیں

مؤلفہ

محمد اکبر الدین صدیقی

قاضی زادۂ قصبۂ پانگاوں سابق اڈیٹر
مجلۂ الموسی۔ حال متعلم جامعہ عثمانیہ

ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ

فہرست مضامین

دیباچہ
(۹ تا ۱۶)

حضرت سرور مخدوم کا وصال اور مزار (۳۲) اولاد (۳۴) اولاد سراج الدین (۳۵) شجرہ اولاد شاہ سراج الدین (۳۶) اولاد شاہ نجم الدین (۳۷) شجرہ اولاد شاہ نجم الدین (۳۸)

تیسری فصل۔ حضرت سید شاہ شیخ علی سانگڑے سلطان مشکل آسان قدس سرہٗ اور ان کی اولاد (از صفحہ ۳۹ تا ۷۲)

حضرت سید ابراہیم سپہ سالار (۳۹) حضرت سید محمد ذکریا (۴۰) حضرت سید احمد ذکریا (۴۱) حضرت سانگڑے سلطان کے حالات زندگی (۴۱) حضرت سانگڑے سلطان کا تقدس اور فضائل علمیہ (۴۲) حضرت کے ملفوظات (۴۳) حضرت کا وصال اور مزار (۴۵) حضرت سانگڑے سلطان کی اولاد (۴۶) حضرت شاہ احمد منجھلے چلہ دار (۴۷) شجرہ اولاد حضرت شاہ شیخ علی سانگڑے سلطانؒ (۴۸) شاہ برہان اللہ (۴۹) شاہ عبدالستار ثانی اور شاہ سرور (۴۹) شاہ برہان اللہ حسینی سروری (۵۰) سید شاہ رحمت اللہ حسینی سجادہ (۵۰) سید شاہ برہان اللہ حسینی سجادہ (۵۱) شجرہ اولاد سید شاہ برہان (۵۲) اولاد حضرت سید شاہ سالار (۵۲) سید شاہ جلال الدین رفاعی خاں (۵۲) حضرت سید محمد رفاعی (۵۳) مولانا سید شاہ بدیع الدین رفاعی (۵۴) سید شاہ ہدایت اللہ حسینی اور ان کی اولاد (۵۶) صاحب عالم حاجی سید شاہ عنایت اللہ حسینی شہید (۵۷) قاری حافظ سید غلام محمد شاہ قادری واعظ (۶۱) ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور (۶۶) تصنیفات (۶۸) شجرہ اولاد سید شاہ سالار نبیرہٗ حضرت مشکل آسان (۷۲)

چوتھی فصل حضرت مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری قدس سرہٗ اور ان کی اولاد (از صفحہ ۷۳ تا ۸۸)

پانچویں فصل۔ قاضیان قندھار (از صفحہ ۸۹ تا ۱۰۷)

چھٹی فصل خطیبان قندھار (از صفحہ ۱۰۸ تا ۱۲۰)

ساتویں فصل محتسبان قندھار (صفحہ ۱۲۱ تا ۱۴۲)

آٹھویں فصل بنی اعمام اعزہ و اقارب مشاہیر قندھار

نویں فصل ضمیمے۔

فہرست تصاویر

مقدمہ

از

مولوی عبدالمجید صاحب صدیقی

ام اے ال ال بی پروفیسر تاریخ جامعہ عثمانیہ

مشاہیر پرستی دنیا کا پرانا جذبہ ہے یہ آج ہر تمدن کا جزو لاینفک بنا ہوا ہے لیکن قبل تاریخی زمانہ میں بھی جبکہ تمدن کا نام و نشان نہ تھا اس جذبہ کے بہت سے شواہد ملتے ہیں آج بھی دنیا کے مختلف اقطاع میں بہت سارے وحشی قبائل اپنی تمام بربریت کیساتھ پائے جاتے ہیں ذرا غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں مشاہیر پرستی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے ان کا ہر بڑا آدمی جو کچھ نہ کچھ کام کر کے مرجاتا ہے قابل ذکر سمجھا جاتا ہے اور قبیلہ کے افراد اس کو ہر موقعہ پر یاد کرتے ہیں۔ تمدن کی ترقی کیساتھ اس جذبہ میں زیادہ شدت اور نزاکت پیدا ہو گئی اور رفتہ رفتہ مشاہیر پرستی میں زیادہ زور پیدا کیا گیا اسکو قومیں بیداری پیدا کرنے کا بڑا ذریعہ سمجھا گیا۔ اس زمانہ میں جبکہ دنیا کا تمدن ایک اونچے معیار پر پہنچ گیا ہے اس جذبہ میں خاطر خواہ ترقی محسوس ہوتی ہے ہر قوم اپنے مشاہیر کو مختلف شکلوں میں زندہ رکھنے کی کوشش کرتی ہے تاکہ افراد قوم ان کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں اور اس واقعہ سے ان کی خفتہ قومیں بیدار ہوں اگر کوئی ہیرو سپاہی تھا تو اس کو یاد کر کے لوگ اپنے میں سپاہیانہ جذبہ پیدا کریں اور اگر مدبر تھا تو اس کے تدبر کے سبق آموز نمونوں سے اپنا سیاسی مستقبل اچھا بنائیں۔ محب وطن تھا تو اس کی زندگی سے وطنیت کے جذبہ کو ابھاریں۔ غرض مشاہیر پرستی میں پوری حقیقتیں پوشیدہ ہیں اور اگر ان کا صحیح استعمال کیا جائے

تو ان سے عمرانی زندگی کے بہترین سرچشمے ابل سکتے ہیں۔ دوسری طرف تمدن کی ترقی نے اس جذبہ کے اظہار کیلئے مختلف طریقے پیدا کر دیئے۔ کہانی قصوں کے ذریعہ سے اس کا اظہار کیا جاتا ہے۔ مشاہیر کی برسیاں کی جاتی ہیں۔ مجسمے بنائے جاتے ہیں تاکہ وہ ہمیشہ آنکھوں کے سامنے رہیں تاریخیں لکھی جاتی ہیں۔ اس قسم کا تمام مواد تحریر کے ذریعہ محفوظ رکھا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ اور تاریخ دانی کا فن کچھ اسی جذبہ مشاہیر پرستی کے زور سے پیدا ہوا ہے اور آج بہر قوم کا بہت بڑا سرمایہ حیات بنا ہوا ہے۔

اگرچہ تاریخ کا اصل ماخذ یہی معلوم ہوتا ہے لیکن آج وہ اس قدر وسیع ہو گئی ہے کہ اس کے کئی راستے پیدا ہو گئے ہیں۔ وہ تمدن کی تمام سوتیں بتاتی ہے واقعات کی تمام کڑیاں ملاتی ہے اور عمرانی زندگی کے تمام مسائل پر روشنی ڈالنا اس کا کام ہے۔ اس وسعت کار کیساتھ تاریخ اسوقت اپنی اصل غرض بہت کم پوری کر رہی ہے۔ جو لوگ تاریخ کو مشاہیر کی زندگی کا مطالعہ کرنے کیلئے پڑھتے ہیں انکو بڑی دقت محسوس ہوتی ہے اس غرض کی تکمیل کے بجائے وہ پیچیدہ مسئلوں میں الجھ جاتے ہیں اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ تاریخ سے الگ ہو کر مشاہیر کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے۔ اور اس کے لئے تاریخ نہیں بلکہ سوانح حیات اور تذکرے وغیرہ

لکھے جائیں اور اہل ذوق کو دعوت عمل ہو۔ایک طرف مجموعی طور پر ایک ملک کے مشاہیر ہوتے ہیں۔ملک کی جغرافی تقسیم کے قطع نظر ان مشاہیر کی سوانح حیات منظر عام پر لائی جاسکتی ہیں۔لیکن اگر اس میں جغرافی تقسیم کا لحاظ رکھا جائے تو زیادہ فائدہ ہوسکتا ہے۔جس طرح ایک ملک کے مشاہیر ایک ہی ذہنیت اور نقطہ نظر کے ہوتے ہیں کیونکہ انکا ماحول ایک ہی ہوتا ہے جو ان کے نشو نما اور ذہنی تشکیل پر یکساں اثر ڈالتا ہے اسی طرح ایک شہر اور قصبہ کے مشاہیر بھی ایک جگہ جمع کئے جائیں تو زیادہ مفید مطلب ہوسکتا ہے کیونکہ اس طرح بہ یک نظر ایک جگہ کی پیداوار سب کی سب سامنے آجائیگی اور اس سے ایک طرف یہ معلوم ہوگا کہ فلاں قصبہ یا شہر کس طرح مردم خیز رہا ہے اور اس کی کیا خصوصیات ہیں جن کی بدولت اچھے لوگ وہاں پیدا ہوئے دوسرے طرف ایک جگہ کے مشاہیر کو جو ایک ساتھ آنکھوں کے سامنے آئیں باہم مقابلہ کرکے دیکھنے کا موقعہ ملتا ہے کہ ان میں ذہنی اور اخلاقی کیا فرق تھا۔نیز ان میں کونسے اوصاف مشترک تھے۔

جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے بڑے شہروں کے مقابلہ میں چھوٹے قصبات اور دیہات ہی زیادہ مردم خیز ثابت ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں اب اور اس کے پہلے جتنی بڑی شخصیتیں علمی اور سیاسی

اعتبار سے منظر عام پر آئی ہیں وہ سب کی سب کسی گاؤں یا قصبہ کی رہنے والی تھیں شمالی ہند میں اس وقت بھی یہ خیال عام ہے کہ صرف دیہات اور قصبات ہی علم و فضل اور شرافت خاندانی کے اصل مرکز ہیں اور شہروں کو اس قسم کا مواد سب دیہات اور قصبات سے ملتا ہے لکھنو کو ہم اس کے تمدن کی وجہ سے یاد کرتے ہیں لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تمدن کے اصل حامل خود لکھنو کے نہیں بلکہ سندیلہ۔ بلگرام۔ کاکوری وغیرہ جیسے قصبات کے لوگ تھے۔ جو یہاں پیدا ہوے اور یہاں نشو ونما پائی۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ دیہاتی زندگی پر سکون اور خاموش ہوتی ہے اس پر سکون ماحول میں انسان کے دل و دماغ کو اقتضائے مذاق کے حسب منشاء صحیح نشو ونما پانے کا موقع ملتا ہے جو شہروں کی چیخ پکار میں ممکن نہیں۔ افسوس ہے کہ دکن کے دیہات اور قصبات مرہٹوں کی یورشوں کا ایسا نشانہ بنے رہے کہ ان کی قوت پیداوار برسوں تک غایب ہوگئی۔ قدیم دکن کی تاریخ میں بھی اسکے شواہد ملتے ہیں کہ دکن کے قصبات سے اچھی ہستیاں پیدا ہوئیں اور جب دکن میں سلطنت بہمنی قائم ہوئی تو اسکی سیاسی برکتوں سے شہروں کے ساتھ قصبات و دیہات بھی خاطر خواہ پر رونق ہوگئے اور ان قصبات سے لائق لوگ پیدا ہوے چنانچہ سلطنت بہمنی کے دور کے مشہور قصبات بیڑ۔ ناندیڑ۔ جالنہ اور قندہار وغیرہ ہیں اور ان قصبات کے پورے حالات

پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان محدود در دیوار میں قابل قدر ہستیاں پیدا ہوئیں اور انہوں نے دکن کے مجموعی تمدن میں قابل قدر اضافہ کیا۔ سچی بات یہ ہے کہ تمدن دکن کی اصلی سوتیں دکن کے انہی مشہور قصبات میں ملتی ہیں

قندہار کا قصبہ اپنے تاریخی ماحول کیساتھ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ جب "امرائے صدہ" دکن میں آئے تھے تو انہوں نے سلطنت بہمنی قائم ہوتے وقت اور اس کے پہلے دکن کے انہی خوشگوار اقطاع کو اپنا مسکن بنایا تھا یہی لوگ سلطنت بہمنی قائم کرنے والے ہیں۔ اور انہیں "امرائے صدہ" نے دکھنی قومیت کی بنیاد ڈالی اگرچہ سلطنت بہمنی تقریباً تمام دکن پر حادی تھی جس میں مرہٹواڑی کرناٹک اور تلنگھانہ شامل تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پٹھانوں کے خاندان مرہٹواڑی میں زیادہ آباد ہوے ہیں۔ چونکہ مرہٹواڑی کی آب وہوا زیادہ خوشگوار اور صحت بخش ہے اسلئے "امرائے صدہ" کا یہاں بود و باش کرنا خلاف قیاس نہیں ہے۔ نیز انکا پہلا کاروان بھی شمال سے مرہٹواڑی ہی میں نازل ہوا تھا۔ یہ پہلے ایلچپور آئے تھے اور اسکے بعد دولت آباد میں جمع ہوے جو اس زمانہ میں تمام مہاراشٹر کا مرکز تھا۔ جب یہاں سے منتشر ہوے تو مرہٹواڑی کے ایسے اقطاع کو آباد کیا جو انکے حسب منشاء تھے دیگر اقطاع کیساتھ قندہار کو غالباً اس وجہہ سے اپنا مسکن بنایا تھا کہ اول تو اس کا نام شمالی قندہار کا سا تھا جو ان شمالی فاتحین کیلئے بہت مانوس تھا دوسرے موقع و محل کے اعتبار سے ایک بہت اچھی جگہ تھی۔ یہاں کئی خاندان

جمع ہوگئے اور ان میں سے دو ایک پشتوں کے بعد ایسے مشاہیر پیدا ہوئے جو دکن کیلئے باعث عزت ہیں اور تمام اہل قندھار کو جو اسوقت قندھار میں ہیں اور قندھار چھوڑ کر باہر چلے گئے فخر کرنا چاہئیے۔ قندھار اسوقت دکن کے ان قصبات میں سے ہے جو درحقیقت دکھنی قومیت کے گہوارے ہیں اور یہ سب سے زیادہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسکی تاریخ اور اسکے مشاہیر کا ایک اچھا مرقع لکھا جائے۔

جسطرح ہندوستان کی تمام تاریخ اس خصوص میں ناقص ہے اسی طرح دکن کے مشاہیر بھی گوشہ گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں سچی بات یہ ہے کہ تاریخ دکن کو زندہ کرنے کیلئے دکھنی قومیت کے مشاہیر کو اجاگر کرنا چاہئیے اور یہ کام قصبات سے شروع کیا جائے تو بہت اچھا ہے۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اکبرالدین صاحب صدیقی نے جو جامعہ عثمانیہ کی ہونہار پیداوار ہیں اس کام کو شروع کیا ہے۔ زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ یہ کام قندھار سے شروع ہوا ہے جسکو اور قصبات میں زیادہ امتیاز حاصل ہے اور جہاں علم و فضل اور روحانیت کے حامل بیشمار مشاہیر گذرے ہیں اور یہ کام مقامی اصحاب اچھا کر سکتے ہیں۔ اور خاصکر ان سے تعلق رکھنے والے ہی اپنی جگہ کی تمام خصوصیتوں اور خدمات سے واقف ہو سکتے ہیں اس طرح اکبرالدین صاحب کیلئے یہ اچھا موقع تھا جس سے موصوف نے پورا استفادہ کیا قندھار کے مشاہیر کا ایک اچھا حوصلہ افزا مرقع تیار کر لیا جو نہ صرف تاریخ کے متلاشیوں کے لئے مفید ہوگا بلکہ آئندہ کیلئے اچھی مثال کا کام دیگا۔

دیباچہ

اس سال اعلیٰحضرت سلطان العلوم کا جشنِ سیمین منایا جا رہا ہے اس تقریب مسعود کی یادگار میں ہر شخص اپنی بضاعت کے مطابق نذرِ عقیدت پیش کر رہا ہے اور کوشش کی جا رہی ہے کہ ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں۔ اس مسابقت میں اس بے بضاعت نے بھی شرکت کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اور اس نذرانہ کے لئے جس چیز کا انتخاب کیا ہے وہ ناظرین کے سامنے پیش ہے لیکن اس کے متعلق ایک تعارف بھی لکھ دینا چاہتا ہوں تاکہ اس حقیر نذرانہ کی اہلیت کا اندازہ ہو سکے

میں اس ہستی کے واقعات زندگی کو ایک منظم شکل میں پیش کرنا چاہتا تھا جو ہمارے شاہی خاندان کی تین ذی مرتبت ہستیوں کی استادی کا شرف حاصل کر چکی ہے۔ اور یہ سعادت صدیوں میں کسی ایک آدھ کو نصیب ہو جاتی ہے۔ اس قابل رشک ہستی سے میری مراد نواب فضیلت جنگ رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو ۱۲۹۵ھ سے اعلیٰ حضرت غفران مکان غفر اللہ کے اور ۱۳۰۰ھ سے ۱۳۲۹ھ یعنے اکیس سال تک اعلیٰحضرت قدر قدرت سلطان العلوم بندگان عالی کے اور ۱۳۳۲ھ سے ۱۳۳۵ھ تک ہز ہائنس والا شان شہزادہ برار اور شہزادہ والا شان نواب معظم جاہ بہادر کے استاد رہے ہیں۔

ان کے حالات زندگی اور واقعات کی تلاش میں ایسا مواد ہاتھ آگیا جس نے میرے مطمح نظر میں تبدیلی پیدا کر دی اور میں بجائے صرف ایک ہستی کے حالات پیش کرنے کے اس ہستی کے وطن کے ان مشاہیر کے واقعات جمع کرنے پر مجبور ہو گیا جنھوں نے زندگی کے مختلف

راہوں پر گامزن کی اور اس خوبی وعظمت کے ساتھ کہ تا قیامت ان کے نقوش باقی رہینگے۔
ساتھ ہی ساتھ موجودہ دور تک ان کے خاندانی حالات کا تذکرہ بھی لکھ دیا ہے۔

سرزمین دکن میں قندھار شریف ہی ایک ایسا مقام ہے جو صدیوں سے مردم خیز ثابت ہوا ہے اسمیں دکن کی صدیوں کی تاریخ پوشیدہ ہے۔ اسلامی حملوں سے پہلے قندھار ہندو راجاؤں کا پایہ تخت اور مشہور معرکہ آرائیوں کا مرکز رہا ہے۔ اسلامی حکومت میں آنے کے بعد سے بھی اس کی اہمیت برابر ترقی کرتی گئی۔ بہمنی سلطنت کے بعد جب طوایف الملوکی پیدا ہوئی تو ہر سلطنت کی یہی کوشش تھی کہ قندھار کو اپنے قبضہ میں لے آئے یہی وجہ ہے کہ کبھی اس پر نظام شاہیوں کا قبضہ رہتا تو کبھی عادل شاہیوں کا آخر کار مغلوں کی مدافعت کے سلسلے میں دکن کے عظیم الشان علم بردار حریت ملک عنبر نے اس کو ہی آخری جائے پناہ اور مستحکم مرکز بنا لیا تھا۔ دکن کی آزادی اسی وقت سے متزلزل ہوگئی جب سے قلعہ قندھار مغلوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ اس کی سر بفلک فصیلوں سے صدیوں تک کئی نہ کسی غنیم کی فوجیں آ آکر ٹکراتی تھیں۔ اور اس کے سر کرنے پر حملہ آوروں کے لئے ملک کی بہت سی راہیں کھل جاتی تھیں۔ ان سب معرکہ آرائیوں کا ذکر میں نے اپنی اس کتاب کی پہلی فصل میں نہایت ہی اجمال کے ساتھ قلمبند کر دیا ہے۔ اس موضوع پر قندھار ہی کے ایک سپوت منشی مولوی محمد امیر حمزہ مرحوم نے ایک بسوط کتاب "تاریخ قندھار دکن" لکھ کر شائع کی ہے۔ اس لئے ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ یہاں ان کا اعادہ کیا جائے۔ اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ "تاریخ قندھار دکن" کا مطالعہ سرزمین دکن کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں پر واضح کردیگا

کہ دولت آباد، گلبرگہ، بیدر، بیجاپور، گولکنڈہ اور ورنگل کے سلسلے میں قندھار ہی دکن کا وہ عظیم الشان قلعہ ہے جو تاریخی حیثیت سے خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ کسی قلعہ سے متعلق ایسی مبسوط اور مستند اور مکمل تاریخ نہیں لکھی گئی جیسی قندھار کے متعلق لکھی گئی ہے۔

یہ تو قندھار کی سیاسی اہمیت تھی۔ اس کے علاوہ قندھار کو ایک اور اہمیت بھی حاصل ہے، جس کے لحاظ سے دکن کا کوئی اور تاریخی مقام اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ اہمیت تصوف و عرفان، رشد و ہدایت علم و فضل اور شعر و سخن کا مرکز ہونے کے متعلق ہے قندھار میں اتنے اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین آئے اور خود وہیں سے پیدا ہوئے کہ اس کی نظیر دکن کا کوئی شہر نہیں پیش کر سکتا۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ قندھار کی زندگی کے اس پہلو سے متعلق بھی قندھار ہی کے ایک سپوت مولانا شاہ رفیع الدین قدس سرہٗ نے ایک کتاب "انوار القندھار" آج سے سو سال قبل لکھی ہے۔ دکن کے کسی اور شہر کے اولیاء اللہ کے متعلق بھی ایسی قدیم مبسوط اور مستند تاریخ موجود نہیں ہے۔

ممالک محروسہ میں قندھار ہی کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ یہیں کے علماء فضلا اور صاحبان طریقت ریاست حیدرآباد کے اکثر امرا اور خاندان شاہی کے استاد اور پیر طریقت رہے ہیں۔ مولانا شاہ رفیع الدین قدس سرہٗ خاندان شمس الامرا کے مرشد تھے چنانچہ نواب فخر الدین خاں شمس الامرائے ثانی، نواب رفیع الدین خاں شمس الامرائے ثالث، نواب رشید الدین خاں شمس الامرائے رابع اور ان کے بھائی نواب بدر الدین خاں معظم الملک وغیرہ انہیں کے مرید تھے۔

اور چونکہ مولانا شجاع الدین قدس سرہ کے بھی آپ ہی مرشد تھے اس لئے ان کے مریدین وغیرہ کے بھی آپ ہی پیر سلسلہ تھے۔ شاہ رفیع الدین کے علاوہ ان کے ایک خلیفہ مولانا امین الدین کے بہت کثرت سے مریدین اور تلامذہ تھے۔ قندھار ہی کے ایک عالم مولوی غلام علی نواب سر خورشید جاہ شمس الامرائے خاص کے استاد تھے۔ اسی طرح مولوی انوار اللہ خاں فضیلت جنگ حضرت غفران مکان آصفجاہ سادس و اعلیٰحضرت خسرو دکن سلطان العلوم اور حضرتِ اعظم جاہ شہزادہ برار کے استاد رہے ہیں۔ اپنی خدمات جلیلہ کے سلسلے میں انھیں وہ تمام جاگیریں، معاش اور انعام عطا کئے گئے تھے جن پر آج تک ان کی نسلیں قابض ہیں۔ افسوس ہے کہ سرزمین دکن کی تاریخ میں ایک زمانہ ایسا آیا کہ یہاں کی جملہ قدیم طاقتور قوتیں کمزور ہونے لگیں اور خدمات اور اثر و اقتدار دوسروں کے ہاتھ میں منتقل ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ ان بزرگوں کی اولاد اپنے آباؤ اجداد کے اوصاف سے محروم ہونے لگی۔ اور اب ان اہل خدمات شرعیہ کی اولاد کو بجائے مقدمات کے تصفیہ کرنے، اپنے اپنے علاقوں میں امن و امان اور احتساب کے جاری رکھنے اور خلق اللہ کو صحیح راستے پر چلانے کے اپنی اپنی جاگیروں، معاشوں اور انعاموں کے جھگڑوں اور مقدمہ بازیوں میں مشغول ہو جانا پڑا۔ بیکاری ہر بیماری کی جڑ ہے۔ جب ان کے ہاتھ سے اہم کام نکل گیا تو وہ لازمی طور پر جزوی امور کے متعلق لڑنے جھگڑنے میں منہمک ہو گئے۔ اور جیسے جیسے ان کا انہماک ادھر بڑھتا گیا حکومت نے ان کے فرایض اور ذمہ داریوں کو ان کے ہاتھ سے لے کر مختلف محکموں کے تفویض کر دیا۔

اہل خدمات شرعیہ کی اس تباہ حالی کا احساس عرصہ قبل ہی ملک کے ارباب حل و عقد کو ہوا تھا اور اس بات کی کوشش کیگئی تھی کہ انکے لئے تعلیم گاہیں قایم کر کے انکو پھر کام کے قابل

بنایا جائے۔ لیکن جسطرح اکثر معاملات میں اہل ملک کی فلاح وبہبود کی تجاویز کامیاب نہیں ہوتیں یہ تجویز بھی نامکمل حالت میں ابتک مدرسہ نظامیہ کی شکل میں باقی ہے۔ لیکن وہ زمانہ دور نہیں جبکہ اہل ملک اپنی حقیقی ضرورتوں اور اہمیتوں سے واقف ہو نگے۔ اور ملک اس قابل ہوگا کہ مستحقین کو انکا حق پہنچائے۔ خوش قسمتی سے ان قدیم خاندانوں کی موجودہ نسلیں بھی اب جدید علوم وفنون اور ضروریات زمانہ سے واقف ہو کر ملک ومالک کی خدمت کرنے کیلئے تیار ہو رہی ہیں اور کیا تعجب ہے کہ وہ بہت جلد اپنے آباواجداد جیسی اہمیت حاصل کرلیں اور پھر اس سرزمین کو باہر سے کام کرنیوالے حاصل کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔

سرزمین دکن پر عہد عثمانی کی برکات کی وجہ سے زندگی اور ترقی کا ایک نیا آفتاب طلوع ہو چکا ہے یہاں کی تمام خوابیدہ قوتیں بیدار ہو رہی ہیں۔ علم وعمل اور سرگرمیوں کے قدیم سرچشمے پھر سے جاری ہو گئے ہیں۔ ایسے تابناک مستقبل میں یقین ہے کہ اس سلطنت کے یہ قدیم خدمتگذار (اہل خدمات شرعیہ) بھی ایسا نمایاں حصہ لیں گے جو ان باعظمت اسلاف کے نام اور کارناموں کے شایان شان ہوگا۔

میں نے اس کتاب کو نو فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی فصل میں قندھار کی سیاسی تاریخ اجمالی طور پر بیان کردی گئی ہے بعد کی تین فصلیں قندھار کے تین برگزیدہ اولیاء (حاجی سیاح سرور سید سعید الدین رفاعیؒ اور حضرت سید شاہ علی سانگڑے سلطان مشکل آسان اور مولانا شاہ رفیع الدین قدس سرہ) اور انکے خاندانوں کے تذکرہ پر مشتمل ہیں۔ پانچویں چھٹی اور ساتویں فصل میں قندھار کے قاضیوں خطیبوں اور محتسبوں کے حالات مندرج ہیں آخر میں دو فصلیں اور ہیں جن میں سے ایک میں ان خاندانوں کے ان افراد یا اعزہ واقارب کا تذکرہ ہے جو قندھار سے باہر ریاست کے دوسرے اضلاع اور قصبات میں منتشر ہیں۔ اس مختصر سی کتاب میں جن جن عظیم الشان ہستیوں اور انکے

خاندانوں کے حالات درج کئے گئے ہیں انکی اہمیت اور کارناموںکے متعلق یہاں کچھ لکھنا میں ضروری نہیں سمجھتا۔ خود کتاب کا مطالعہ واضح کردیگا کہ سرزمین دکن کے صرف اسی ایک طبقے (اہل خدمات شرعیہ) میں کیسے کیسے صاحب باطن اولیاءاللہ، علماء فضلاء مصنفین و مولفین، شعراء اور انشاپرداز، ارباب فکر و صاحبان تدبیر پیدا ہوئے اور سچ تو یہ ہے کہ یہ مشتے نمونے از خروارے ہے اگر جملہ اہل خدمات شرعیہ کی کوئی مبسوط اور مکمل تاریخ لکھی جائے تو ایسے ایسے گوہر بے بہا دستیاب ہونگے جو آج زمانے کی نا قدردانی اور اخلاف کی غفلت ولاپروائی کی وجہ سے نظروں سے اوجھل ہوگئے ہیں جس کی بنا پر ملک کے بعض اشخاص یہ سمجھنے لگے تھے کہ اس ملک میں حقیقی صاحبان علم و فضل اور سرگرم کام کرنے والے پیدا ہی نہیں ہوتے ۔

اس امر کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ دو سال کی مسلسل محنت کے بعد میں نے اس ناچیز کتاب کے مرتب کرنے میں جو کامیابی حاصل کی ہے اسمیں حسب ذیل اصحاب کے مشوروں اور امداد کو بھی دخل ہے۔ مولوی حبیب اللہ صاحب صغیر، شاہ برہان اللہ حسینی صاحب علا، سید اعظم اللہ حسینی اکبر، سید غلام محمد شاہ صاحب قادری زخم، قاضی زین العابدین صاحب عابد اور ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زور۔ میں ان سب اصحاب کا تہ دل سے شکر گذار ہوں اور مجھے توقع ہے کہ اگر اسی طرح اور اصحاب بھی متوجہ ہوجائیں تو اہل خدمات شرعیہ کی ایک مکمل و مبسوط تاریخ آسانی کے ساتھ مرتب کی جاسکتی ہے ۔

اس کو بھی میں اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ میں نے جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اسکے متعلق مجھے کافی مواد مطبوعہ اور قلمی کتابوں کی شکل میں بھی مل سکا قندھار اور اہل قندھار

کے متعلق اس وقت تک جتنی کتابیں لکھی جاچکی ہیں میں سمجھتا ہوں کہ شاید ہی ریاست حیدرآباد کے کسی قصبہ یا شہر کے متعلق لکھی گئی ہوں اسی طرح خود اہل قندھار نے اس وقت تک جتنی کتابیں لکھی ہیں اتنی کتابیں کسی اور قصبہ یا شہر تو کجا کسی صوبہ میں بھی نہیں لکھی گئیں۔ ان کی فہرست اس کتاب کے ضمیمے میں شامل ہے۔

آخر میں اس واقعہ کا اظہار ضروری ہے کہ ممکن ہے کسی خاندان یا افراد کے تذکرے میں مجھ سے کوئی سہو یا کمی وبیشی ہوگئی ہو ایسی صورت میں میری یہ معذرت ضرور قابل قبول ہوگی کہ میں نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ ہر ایک کو ان کی اہمیت اور حقیقت کے مطابق اس کتاب میں جگہ دوں۔ اگر کسی کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے تو کسی مصلحت یا دل شکنی پر محمول نہ کیا جائے بلکہ مصنف کی ناواقفیت ہے۔

اقامت خانہ ب
جامعہ عثمانیہ
یکم ذیلحجہ ۱۳۵۵ھ

محمد اکبرالدین صدیقی
متعلم بی اے (آخری)

کتاب مشاہیر قندہار کے ماخذات

قندہار یا اہل قندھار کے متعلق حسب ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے

۱	انوار القندھار	مصنفہ	مولانا شاہ رفیع الدین قدس سرہٗ
۲	ثمراۃ المکی	〃	〃 〃 〃
۳	مطلوب الطالبین	〃	حضرت شاہ ضیاء الدین بیابانیؒ
۴	مناقب شجاعیہ	〃	قاضی امیر اللہ مرحوم
۵	فوائد مفید	〃	〃 〃 〃
۶	مکاشفات سروری	〃	منشی محمد امیر حمزہ مرحوم
۷	تاریخ قندھار دکن	〃	〃 〃 〃
۸	روضۂ شہید	〃	〃 〃 〃
۹	مطلع الانوار	〃	مفتی رکن الدین مرحوم
۱۰	شاہ رفیع الدین قندھاری	〃	عبد الغفور صاحب محشر عابدی
۱۱	سوانح حیات (قلمی)	〃	مولانا سید غلام محمد شاہ صاحب قادری زعم
۱۲	گلزار آصفیہ	〃	
۱۳	تذکرہ محبوب الزمن	〃	عبد الجبار خاں صوفی مرحوم
۱۴	تذکرہ اولیائے دکن	〃	〃 〃 〃

پہلی فصل

قندھار شریف کی تاریخی اہمیت

قندھار حیدرآباد سے شمال مغرب کی جانب ایک سو ساٹھ میل اور ناندیڑ سے ۲۰ میل جنوب مغرب کی طرف ہے۔ یہ ضلع ناندیڑ صوبہ اورنگ آباد کے تحت ایک تعلقہ ہے جس کے حدود شمال میں ساڑباڑ (عثمان نگر) جنوب میں ادگیر اور راجورہ (احمد پور) مشرق میں دیگلور اور کنہ لواڑی اور مغرب میں راجورہ (احمد پور) اور پالم ہیں۔

قندھار کا بانی

تواریخ سے پتہ چلتا ہے کہ خاندان پانڈو کے ایک راجہ کنھر نے جو ارجن کی اولاد میں تھا اپنے نام پر ایک شہر آباد کیا جہاں راجہ رام چندر جی اپنی جلاوطنی کے زمانہ میں آئے تھے۔ دکن کے ہندو اس پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ چنانچہ سیتا کنڈ اور رام کنڈ دو چشمے قندھار کے حدود میں ہیں جو رام چندر جی کے زمانے کے بتلائے جاتے ہیں۔ اور متعدد شکستہ عمارتیں بھی انکے نام سے منسوب ہیں۔ یہاں سے ڈیڑھ میل پر ایک مقام پانڈودرہ ہے اور ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ دریودھن کے خوف سے پانڈو یہیں پناہ گزیں ہوئے تھے اور انکی شادی کی رسم ہلدی بھی یہیں ادا ہوئی تھی۔ اسی خیال کی بنا پر ہنود اتبک بھی حدود قندھار میں ہلدی (زرد چوب) کی کاشت نہیں کرتے۔

قندھار کے قدیم حکمراں

چالوکیہ خاندان کے ایک راجہ نندو بہادر نے نندا گیری (ناندیڑ) کو اپنا پایہ تخت بنایا تھا لیکن اس کی وفات پر

اس کے ایک لڑکے سوماد یوراج نے قندھار کو دار السلطنت بنایا اور دوسرے نے ہنکنڈہ کو۔ سوماد یوراج کے عہد میں قندھار کا قلعہ اینٹ اور مٹی سے بنایا گیا تھا۔ اسی زمانہ میں کٹک کے راجہ بالاہندو نے قندھار پر حملہ کرکے لوٹ لیا، سوماد یوراج مارا گیا اور اسکی رانی ہنکنڈہ چلی گئی اور اپنے بیٹے ادھو دھرما کے سن شعور کو پہنچنے تک وہیں رہی بعد میں مادھو دھرما نے اپنے آبائی علاقہ پر قبضہ کیا لیکن وہ اپنے بھائی راجہ ہنکنڈہ کا جانشین ہو چکا تھا اسلئے اس نے ہنکنڈہ کو دار السلطنت بنا کر قندھار کو پرگنہ کی حیثیت دی۔ جب اس خاندان کے آخری راجہ گنپتی دیوراج نے بیوہ اور ایک کم سن لڑکی انا مائی بائی چھوڑ کر وفات پائی تو رانی نے اپنے مشیروں کی مدد سے حکومت کی۔ اس زمانہ میں دیوگیر (دولت آباد) پر کندارا نامی راجہ حکمران تھا۔ اس نے قندھار کو اپنے قبضہ میں کر لیا اور راجہ کے نام کے لحاظ سے قندھار کو بجائے کنہار کے کندار یا کندارا کہنے لگے۔ ۱۲۴۸ء سے ۱۲۶۰ء تک کندارا قندھار پر قابض رہا لیکن پھر رانی کی فوجوں نے قندھار پر قبضہ کر لیا اور تلنگوں کی ایک چھاؤنی وہاں قائم کر دی گئی۔ رانی کا قبضہ چالیس سال تک رہا۔ اسکے بعد اس کا نواسہ پرتاب رودر دیوا تخت نشین ہوا۔ اس نے دیوگیر کے راجہ کو شکست فاش دی اور سلطنت دیوگیر کو بھی اپنے قبضہ میں کر لیا۔ یہی وہ راجہ ہے جس کے زمانے میں مسلمانوں کے حملے شروع ہو گئے تھے اس کے بعد اس کا بیٹا ویر بھدرا تخت نشین ہوا لیکن اس کی بد انتظامی نے طوائف الملوکی پیدا کر دی۔

قندھار پر مسلمانوں کا حملہ | اسی اثنا میں ملک کافور نے جب دکن پر حملہ کیا تو

قندھار بھی اسکے قبضہ میں آگیا لیکن حاکم وقت دیوراج نے تحفے تحائف دے کر اور باجگذاری کا اقرار کر کے ضبط شدہ علاقے واپس لے لئے۔ اور قندھار سلطنت خلجی کے اختتام تک سلطنت شکنندہ (ورنگل) کے ماتحت رہا۔ جب غیاث الدین تغلق بادشاہ ہوا تو اس نے ۷۲۲ھ میں ملک فخرالدین کو فوج دے کر دکن بھیجا لیکن اسکو ہزیمت اٹھانی پڑی پھر چار مہینے کے قلیل عرصہ میں ملک فخرالدین دوبارہ تیار ہو کر قندھار اور بیدر سے قتل وغارت کرتا ہوا ورنگل جا پہنچا اور راج کا خاتمہ کر دیا۔ اب ورنگل سلطان پور کے نام سے موسوم ہوا۔ راجہ ورنگل دہلی بھیج دیا گیا تھا جہاں سے اس نے باجگذاری کا وعدہ کر کے قلعہ ورنگل اور چند پرگنے دوبارہ حاصل کر لئے اور پھر راج قائم ہو گیا بادشاہ نے بیدر پر حاکم مقرر کئے اور قندھار کو بیدر کا ایک پرگنہ بنا دیا۔

قندھار کی وجہہ تسمیہ | ابھی تک قندھار کو کندار ہی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا لیکن مسلمانوں نے کندار کو قندھار سے بدل دیا۔ یہ نہایت پرفضا علاقہ ہے، شہر پہاڑ کے دامن میں واقع ہے، تالاب کا کنارہ شمالی آبادی سے بالکل متصل ہے جنوب میں قریب ہی میناڑ ندی بہتی ہے، ہر قسم کا میوہ پیدا ہوتا ہے باغات کی کثرت بھی ممکن ہے کہ اس زمانہ میں ہو لیکن اب نہیں۔ غرض کیا تعجب ہے کہ افغانوں کو اپنا قندھار یاد آگیا ہو اور وہ لوگ وہاں کی فضا اور راحتیں یہاں پا کر اس کو قندھار کہہ اٹھے ہوں۔

حضرت حاجی سیاح سرور کا ورود | ذکر آچکا ہے کہ قندھار ہندوؤں کا متبرک مقام مانا جاتا ہے راما ین اور مہابھارت کے ہیروؤں کا مسکن بن چکا ہے اسی وجہہ سے یہاں

منادر کی کافی تعداد تھی اور مہادیو کا مندر خاص طور پر مشہور تھا۔ جب ۷۲۵ھ میں حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاؒ کا وصال ہوا اور محمد تغلق کے حکم سے دہلی خالی ہونے لگی تو حاجی سیاح سرور مخدوم سید سعید الدینؒ حضرت شیخ ابراہیم سپہ سالار افواج تغلقیہ کے ساتھ دکن تشریف لائے اور قندھار میں اسی جگہ اقامت اختیار کی جہاں مہادیو کا مندر تھا اور یہاں سے اسلامی شعاعیں پھیلانے لگے۔

پختہ قلعہ کی تعمیر سلطان محمد تغلق ۷۲۶ھ میں دکن آیا اور قندھار کی حکومت شہاب سلطان المخاطب نصرت خاں کے سپرد ہوئی۔ اس کا صدر مقام بیدر قرار پایا لیکن نصرت خاں کے باغی ہونے کی اطلاع ملنے پر بادشاہ نے اپنے استاد قتلغ خاں فرزند برہان الدین صوبہ دار دولت آباد کو بیدر کا والی مقرر کیا اور اسی عہد میں قندھار کا پختہ قلعہ تیار کیا گیا ۷۲۵ھ سے ۷۴۸ھ تک دکن سلطان محمد تغلق کے زیر حکومت رہا۔ قلعہ کے پچھلی دروازہ کے بائیں جانب کی کمان میں سب سے پہلا قدیم کتبہ ملک سیف الدولہ کے عہد حکومت کا ہے جس پر ۷۴۲ھ کندہ ہے ملک سیف الدولہ کا تعلق عمائدین سلطنت سے تھا۔ اسی نے قلعہ تعمیر کرایا۔ اسی کے جانب سے مصطفےٰ صفی الدین قندھار کا نائب مقرر ہوا تھا۔ سلطان کی سخت گیری نے امرا کو ناراض کر دیا اور دکن خود مختار ہو گیا لیکن اس پر آشوب زمانہ میں بھی محمد تغلق نے اپنے داماد عماد الملک تبریزی کو اپنی حکومت قایم رکھنے اور شورشیں رفع کرنے کیلئے بیدر بھیجا۔ کچھ دن کیلئے قندھار عماد الملک کے ماتحت رہا لیکن جب حسن گنگو بہمنی نے حملہ کیا تو عماد الملک مارا گیا۔ اور فوج نے نئے تیار شدہ قلعہ میں پناہ لی حسن نے عجلت کے

سبب بیدر اور دولت آباد کا رخ کیا اور سیف الدولہ نے قندھار کا محاصرہ کرلیا۔ حسن محاصرہ کو طول کھینچتا دیکھ کر قندھار آگیا۔ اسکی اچانک آمد نے اہل قلعہ کے دل پر دھاک بٹھادی اور انہوں نے حسن کی اطاعت قبول کرلی۔ اسی وقت سیف الدولہ کو قندھار، کولاس اور بیدر کی حکومت سپرد ہوئی۔ قلعہ کی پختہ اور سنگین عمارتیں، تالاب کا سنگ بستہ پشتہ اور عیدگاہ ملک سیف الدولہ کے عہد حکومت اور مصطفی صفی الدین کے عہد نیابت میں اسی کے اہتمام سے تیار ہوئے۔

قندھار کا علم و فضل اور رشد و ہدایت کا مرکز بننا

جب ۸۰۱ھ میں محمود شاہ بہمنی نے تخت سلطنت پر جلوس کیا تو یتیموں اور غربا کیلئے قندھار میں ایک مدرسہ قایم کیا جسمیں قابل علماء و فضلاء اور محدثین جمع کئے لیکن مدرسہ کی قدیم عمارت کا پتہ نہیں چلتا البتہ ایک مسجد قدیم ہے مگر کتبہ سے کسی قسم کے آثار ظاہر نہیں ہوتے اور نہیں کہا جاسکتا کہ مسجد اسی مدرسہ کے علاقہ کی ہوگی۔ غرض اس وقت قندھار علم و فن کا ملجا و ماوا ہورہا تھا۔

خواجہ بندہ نوازؒ کا قندھار آنا

اسی زمانہ میں قندھار کی علمی و تاریخی اہمیت اور اولیا و بزرگان دین کے مزارات کا شہرہ سن کر ۸۰۳ھ میں سید محمد گیسو دراز خواجہ بندہ نوازؒ زیارت روضہ مطہر حضرت حاجی سیاح سرور مخدومؒ کی غرض سے تشریف فرما ہوئے تھے اس وقت حضرت مخدومؒ کے پوتے شاہ چمن موجود تھے۔

قندھار پر امیر قاسم برید کا قبضہ

خواجہ محمود گاواں کی وزارت کے زمانے میں بہمنی سلطنت کے آٹھ صوبے کئے گئے تھے ۱۔ بیجاپور ۲۔ گلبرگہ ۳۔ دولت آباد

۴ جینیر ۵- راجمندری ۶- ورنگل ۷- کاریل ۸- ماہور قلعہ قندھار موخرالذکر علاقہ میں تھا۔ صوبہ ماہور کا صوبہ دار خداوند حبشی مقرر ہوا۔ محمود شاہ بہمنی کے زمانے میں قندھار قاسم برید کوتوال شہر بیدر کو جاگیر کے طور پر عنایت ہوا تھا لیکن جب بادشاہ کی عیاشی اور غفلت کے چرچے ہونے لگے تو قاسم برید نے مزید قلعے۔ اوسہ او دگیر اور کلیانی اپنے قبضہ میں کر کے علحدہ سلطنت قائم کرلی لیکن پھر ایک دو لڑائیوں کے بعد خود محمود شاہ سے معافی مانگی اور منصب مدارالمہامی پر فائز ہوا۔ بادشاہ کی غفلت سے اس نے دوبارہ فائدہ اٹھایا اور امور سلطنت پر قابض ہوگیا اب قندھار کی تنظیم کیلئے تماجی دیوان مقرر ہوا۔

قندھار کی سیاسی اہمیت

قاسم برید کے عہد مدارالمہامی میں خاندان بہمنیہ کی سلطنت کا خاتمہ ہوا اور اسکے بعد قندھار پر عادلشاہیوں کا قبضہ ہوگیا قاسم برید کے بیٹے علی برید کے زمانے میں بھی قندھار سونے کی چڑیا بنا ہوا تھا۔ ہر حکومت کی نظریں ادھر لگی ہوی تھیں اسی لئے وقت بے وقت اسکو تاخت و تاراج کرتی رہتی تھیں۔ انہیں وجوہات کی بناء پر علی برید تنگ آگیا اور یکسوئی کے خیال سے ابراہیم عادلشاہ کے پاس جا کر امداد کا طالب ہوا لیکن اس نے دوسرے سلاطین کے اشارے پر علی برید کو قید کرلیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر برہان نظام شاہ والئی احمد نگر نے ۹۵۵ھ میں قندھار پر قبضہ کرلیا۔ ۱۰۲۰ھ میں ابراہیم عادلشاہ نے قندھار کو اپنے قبضہ میں لیا اور مسجد عادلشاہی (جو قلعہ میں موجود ہے) کی تعمیر اسی زمانے میں شروع کردیگئی جو ۱۱۲۴ھ میں ختم ہوئی۔

قندھار میں مغلوں کی شکست

ملک عنبر حبشی کے زمانے میں جو نظام شاہ کے عہد میں مدار المہامی کے خدمات انجام دے رہا تھا اور سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک تھا خانخاناں نے حسب الحکم جہانگیر دکن پر چڑھائی کی۔ ملک عنبر میں مغلیہ فوجوں کے مقابلے کی تاب نہ تھی اس نے دربار بیجاپور میں درخواست کی کہ اگر قلعہ قندھار کو کچھ فوجی امداد مل جائے تو وہ مغلوں کے سیلاب کو روکنے کے قابل ہو سکے گا۔ عادلشاہیوں نے اسکی درخواست منظور کرلی اور اس طرح قندھار بغیر کسی جنگ و جدال کے عادلشاہیوں کے قبضہ سے نکلکر نظام شاہی سلطنت میں داخل ہوگیا۔ یہاں اس نے فوجی استحکامات کئے اور مغلوں کو شکست دی۔ اس طرح سے اس قدیم تاریخی شہر نے مغل افواج کے سیلاب کو روک دیا اور ایک عرصہ تک دکن کو شمال کی غلامی سے آزاد رکھا۔ ملک عنبر کا مامن و مسکن ایسے جنگ و جدال اور قتل و غارت کے زمانہ میں قندھار ہی رہا۔

قندھار کی تعمیر جدید

ملک عنبر نے قندھار کے عادلشاہی دور کی زیر تعمیر عمارتوں کی تکمیل کرادی۔ چنانچہ مسجد مذکور کی تکمیل بھی اسی زمانے میں ہوئی۔ قلعہ قندھار کی سب سے بڑی توپ اسی نے رکھوائی اور حاجی سیاح سرور مخدومؒ کی درگاہ کے باہر جو عاشور خانہ ہے اسی کا بنایا ہوا ہے۔ قاضی محلہ کی مسجد ۱۰۲۲ھ میں اسی نے بنوائی اور اسی کے حکم سے پہلی دفعہ قندھار کی زمین کی پیمائش کی گئی۔

قندھار پر مغلوں کا قبضہ اور اس کی سیاسی اہمیت کا خاتمہ

ملک عنبر کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد ۱۰۴۰ھ میں شاہ جہاں کے حکم سے خان دوراں نصرت جنگ

نے بہت کوششوں کے بعد قندھار کو فتح کیا۔ اس وقت قلعہ قندھار کی مشہور توپیں
ملک ضبط، بجلی، عنبری اور مزید ایکسو سول توپیں اسکے قبضہ میں آگئیں اسکے بعد سے
مختلف اوقات میں مختلف قلعہ دار ہوتے گئے۔ عہد عالمگیری میں بیدر چھ سرکاروں
(ضلعوں) میں تقسیم ہوا جسمیں چھہتر محال (تعلقے) تھے۔ سرکار اول محمد آباد بیدر
۲۔ فیروزگڑھ آہنگر ۳۔ مظفر نگر تلکھڑ ۴۔ اکلکوٹ ۵۔ کلیان ۶۔ ناندیڑ۔ محال
قندھار سرکار ناندیڑ سے متعلق تھا ۱۱۳۴ھ میں جگیٹیا نامی ڈاکو نے قندھار کو لوٹا اور
آستانے کے میلے کی بنیاد بھی اسی عہد کی یادگار ہے۔

مغل قلعداروں نے بھی قندھار میں مختلف عمارتوں کی تعمیر کی۔ حمید الدین
کے عہد میں اورنگ زیب کے حکم سے ایک باغ جس کا تاریخی نام "رشک کشمیر" ۱۰۹۰ھ تھا بنایا
گیا تالاب کے کنارے شاہ قرار کی مسجد خان رود جہاں کی تعمیر کردہ ہے اور ایک مجذوب
جو یہاں مقیم تھے انہیں کے نام سے موسوم ہے۔ شیخ عنایت اللہ صدر فوج فیروزی نے
غازی الدین خاں فیروز جنگ کی یادگار میں ایک محلہ بنام غازی پورہ آباد کیا اور مینا نامی
ایک متمول رقاصہ نے جو بعد کو عبد الرشید کی منکوحہ ہوئی اپنے نام کی ایک مسجد تعمیر کی جو اب
بھی موجود ہے ۱۱۳۷ھ یعنے سلطنت آصفجاہی کے قیام کے زمانے میں محمد ناصر خاں
قلعداری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

قندھار آصفی عہد حکومت میں

راجہ گوپال سنگھ محمد شاہ غازی کی فوج میں ایک سردار تھا جب
آصف جاہ اول نے دکن کی تسخیر کا ارادہ کیا تو راجہ گوپال سنگھ

بھی ساتھ ہوگیا۔ دکن میں آصفجاہ اول کو سید دلاور خاں بخشی فوج امیر الامرا کے ساتھ جنگ کرنی پڑی جسمیں راجہ گوپال سنگھ اور اسکے بیٹے دیپ سنگھ نے وفاداری اور شجاعت کے جوہر دکھائے اور اسکے صلے میں قندھار بطور جاگیر پایا جسکا محاصل ایک لاکھ بائیس ہزار تھا۔

ناصر خاں قلعدار اپنی خدمت پر بحال رہے۔ جب ۱۲۱۹ھ میں میر عالم دیوان ہوئے تو رفعت الملک کو نانڈیڑ کی تعلقداری ملی اور وہ اپنے مرشد مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری کی قدم بوسی کیلئے قندھار حاضر ہوئے۔ مولانا اپنے عہد کے بڑے باخدا اور عالم و فاضل بزرگ تھے اور تقریباً تمام حیدرآباد ان کا مرید تھا۔ چوتھی فصل میں انکا تذکرہ مندرج ہے۔

کچھ عرصے بعد ہمت سنگھ جاگیردار ایکہ نے بیٹرے روہیلوں کو اپنی فوج میں شامل کرکے قندھار پر چڑھائی کی اور ہیرا سنگھ قلعدار وقت محصور ہوگیا ہمت سنگھ محاصرہ کئے رہا۔ اسی زمانہ میں قندھار کے ایک اور بزرگ مولانا امین الدین کثرت کے علم و فضل نے روہیلوں کو اپنا گرویدہ بنالیا لیکن مولانا نے کچھ دنوں بعد ہی ۱۲۶۳ھ میں وفات پائی۔ روہیلوں نے ہمت سنگھ اور اس کے رفقائے کار سے تنخواہ طلب کی اور انکاری جواب ملنے پر مہاجنوں کے گھروں کو لوٹ لیا اور پھر بھی ہمت سنگھ سے تنخواہ کے طلبگار رہے ان تمام واقعات کی اطلاع دربار شاہی میں ہوتی رہی۔ رعایا کے محضر تعلقدار وقت نواب اعتضاد جنگ کی خدمت میں پہنچ رہے تھے انہوں نے مدار المہام کو لکھکر جمیعت طلب کی ہنگولی چھاونی کی مختلف ٹکڑیاں بھی اس زمانہ میں دورے کیا کرتی تھیں۔ تعلقدار نے وہاں سے بھی چار ٹکڑیاں ہنگوائیں جسمیں دو سو سوار تھے۔ جنگ کا آغاز ہوا اور یم کے گولے

قلعے میں اترتے ہی قلعے پر سفید جھنڈا یعنے پرچم صلح لہرایا۔ پھاٹک کھولدے گئے اور روہیلوں نے نواب سے بھی بقایا تنخواہ کا مطالبہ کیا ہمنت سنگھ کے خزانہ سے انکی تنخواہ ادا کیگئی اور روہیل قندھار چھوڑ کر چلے گئے۔ قندھار پھر ہیرا سنگھ (جو گوپال سنگھ کی اولاد میں تھا) کی جاگیر بن گیا لیکن دفتر مال سرکار عالی نے بقایاے رقم دربار خرچ دیوتھ و قانون گوئی کا تقاضا کیا اور محمد بحیل خاں رسالدار سندھیاں نے اپنے آدمیوں کو بھیج کر رقم طلب کی۔ ہیرا سنگھ نے قندھار کو محمد بحیل خاں رسالدار کے ہاتھ رہن رکھوایا اور قرض لے کر رقم ادا کردی۔ ہیرا سنگھ کے مرنے کے بعد نبین سنگھ نے حکومت کرنی چاہی لیکن حکومت بے زر چل نہیں سکتی اسکے علاوہ نبین سنگھ نے بحیل خاں رسالدار کے اس معاہدہ کو توڑ ڈالا جو ہیرا سنگھ اور انکے مابین ہوا تھا۔ اسلئے رسالہ دار نے نبین سنگھ کو نظر بند کرلیا۔ اور وزارت دکن سے قندھار کی سند جاگیر اپنے بیٹے عمر خاں ثانی کے نام حاصل کرلی۔ متعدد فتنہ و فساد ہوے اور رسالہ دار نے خدمت نیابت جاگیر و حفاظت قلعہ پر امام بخش جمعدار کا تقرر کیا۔

ریاست کی تنظیم جدید اور قندھار کی تباہ حالی

رسالاجنگ اول کے زمانے میں سلطنت کی ضلع بندی ہوئی۔ چودہ ضلعے اور انکے تحت متعدد تعلقے مقرر کئے گئے جسمیں ضلع ناندیڑ کا ایک تعلقہ قندھار بھی تھا لیکن جاگیر تھی اسلئے قصبۂ کنھیڑ کو دفتر تحصیل کا مستقر قرار دیا گیا ۱۲۸۶ھ میں قدیم مجلس مالگزاری برخاست کردی گئی چار صدر المہام مقرر ہوے اور سلطنت کے پانچ سمت قرار دے گئے۔

اور ہر ایک پر ایک ایک صدر تعلقدار کا تقرر کیا گیا۔ صدر تعلقدار سمت غربی کا مستقر بیدر قرار پایا اور ناندیڑ اسی سمت میں شامل کیا گیا۔ فضا آزادی کی ہواؤں سے معمور تھی۔ اور امام بخش نائب جاگیردار کی جابرانہ طرز روش نے رعایا کو بددل کر دیا تھا اسلئے رعایا کا ایک وفد محمد یحلی خاں رسالدار و جاگیردار کے پاس شاکی ہوا اور جاگیردار نے امام بخش کو علیحدہ کر دیا۔ نیابت قندھار پر محمد باگو عرف بابو میاں کا تقرر ہوا ۱۲۸۵ھ میں پٹہ خانہ امتحانی قایم ہوا جسکو ایک سال بعد مستقلانہ حیثیت دیدی گئی محمد یحلی خاں نے ۱۲۹۱ھ میں انتقال کیا اور خانگی تنازعات کی بنا پر قندھار جاگیر بحق سرکار ضبط کر لی گئی۔ جسکے بعد ۱۲۹۶ھ میں ایک سرکاری مدرسہ قایم کیا گیا۔

جب ۱۲۹۹ھ میں محکمہ صدر تعلقداری سمت غربی کی تخفیف عمل میں آئی تو ناندیڑ صوبہ اورنگ آباد کے تحت آگیا ۱۳۰۵ھ میں قلمدان وزارت نواب سر آسمانجاہ کے سپرد کیا گیا اور ضبطی قندھار کی مثل آپکے سامنے آئی۔ آپ نے فیصلہ فرمایا کہ "قصبہ قندھار محمد یحلی خاں رسالدار کو اس وجہہ سے جاگیر میں دیا گیا تھا کہ وہ جوانان سندھیان کی تنخواہ کے مصارف برداشت کرنے کے قابل ہو سکے۔ اب چونکہ سندھیوں کا تعلق نظم جمیعت سے ہو چکا ہے اس لئے قندھار شریک خالصہ دیوانی کر لیا جائے" اس طرح ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۳۰۰ف میں قندھار کی نئی زندگی کا آغاز ہوا اور ساتھ ہی ساتھ قلعہ کی ویرانی اور بربادی بھی شروع ہو گئی اور رفتہ رفتہ اس کی قدیم تاریخی اہمیت زایل ہوتی گئی۔

دُوسری فصل

حضرت حاجی سیّاح سرور مخدوم سید سعید الدین رفاعی
اور
اُن کی اولاد

آپ حسینی سادات سے ہیں اور عراق کے مشہور صوفی سید احمد کبیر معشوق اللہ رفاعی رح سے چھ واسطوں اور حضرت امام حسین رض سے چوبیس واسطوں پر آپکا سلسلہ نسب ملتا ہے۔

سید احمد کبیر معشوق اللہ رفاعی رح آپ حضرت محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانی رض کے ہمشیرزادہ اور ابو الحسن علی نور الدین رح کے صاحبزادہ تھے ۵۰۰ھ میں ام عبیدہ میں پیدا ہوے اور ۵۷۶ھ میں وفات پائی۔ آپکے حالات مختلف کتب مثلاً نفحات الانس، خلاصۃ المفاخرہ، مراۃ الاسرار اور نور احمدی وغیرہ میں تفصیل سے درج ہیں اسلئے یہاں اجمالی طور پر صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ سید احمد کبیر بہت بااثر اور صاحبدل بزرگ تھے آپکے مریدوں کی تعداد اکیس لاکھ تک پہنچ گئی تھی جتمیں سے سیکڑوں قطب، ابدال اور اولیا گذرے ہیں آپکے پیرو دو فرقوں میں منقسم ہیں ایک ارباب ہدایت دوسرے فقرا جو ضرب وغیرہ لگاتے ہیں آپکے دو صاحبزادوں کی اولاد قندھار دکن میں متوطن ہے ایک سید علی السکران جن کی چھٹی پشت میں حضرت حاجی سیاح سرور رض اور دوسرے سید مہذب الدین جنکی نویں پشت میں سید ابراہیم سپہ سالار افواج تغلقیہ کیا تھا۔

قندھار آئے اور انکے پڑپوتے حضرت سید شاہ شیخ علی سانگڑے سلطان مشکل آسان رح
قندھار ہی میں پیدا ہوئے جنکا تفصیلی تذکرہ دوسری فصل میں موجود ہے۔

حضرت شیخ فرید شکر گنج حضرت حاجی سیاح سرورؒ کے والد سید ابراہیم نجم الدین نے بی بی فاطمہ دختر حضرت شیخ فرید شکر گنج سے بیاہ کیا تھا جن کے بطن سے آپ پیدا ہوئے اس طرح آپکا مادری نسب نامہ حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے۔

حضرت حاجی سیاح سرورؒ کا قیام دہلی آپ کے بزرگ عراق اور بصرہ کے رہنے والے تھے اور ہندستان آکر دہلی میں اقامت اختیار کرلی تھی آپ نے مختلف ممالک کی سیر کی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بھی عرصہ تک قیام کیا اور پھر دہلی واپس تشریف لاکر حضرت نظام الدین اولیاؒ کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے اور علوم ظاہر کے علاوہ علوم باطن سے بھی بہرہ ور ہوتے رہے لیکن آپ اپنے والد ہی کے مرید اور خلیفہ تھے۔

سفر دکن اور توطن قندھار ۷۲۵ھ میں حضرت نظام الدین اولیاؒ کا وصال ہوا اور اسکے بعد ہی محمد تغلق نے دہلی خالی کر کے دولت آباد کو پایہ تخت قرار دیا اس وقت جن اولیاء نے دکن کیطرف رخ کیا ان میں حاجی سیاح سرور کو خاص اہمیت حاصل ہے آپ حضرت شیخ ابراہیم سپہ سالار افواج کیساتھ دولت آباد کیلئے چل کھڑے ہوئے متعدد معرکوں میں شرکت کی جسمیں آپ نے مخالفین کے کئی سرداروں کو قتل کیا جسکی وجہ سے کفار شکن مشہور ہوگئے آپ کے کرامات اور خرق عادات نے عوام کو گرویدہ کرلیا بہتوں نے آپکے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا اور آپکے عقیدتمندوں کا حلقہ روز بروز وسیع ہوتا گیا دکن آنے کے بعد

قندھار کو اپنی اقامت کیلئے پسند کیا چنانچہ آپ نے تالاب کے مشرقی کنارے پر قیام کیا اور حضرت ابراھیم سپہ سالار نے مغربی کنارے پر۔

حضرت حاجی سیاح سرورؒ کا تقدس اور فضائل علمیہ

آپ اپنی زندگی ہی میں اپنے کشف و کرامات اور تقدس کی وجہ سے مشہور ہو چکے تھے اور آپکے مریدین و معتقدین کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو بھی آپکی بزرگی کے قائل تھے چنانچہ تقریباً کل اضلاع سمت غربی (مرہٹواڑی) میں حلف کے وقت آپکا نام لیا جاتا ہے اور ہر مطلب و حاجت کے پورا ہونیکا کافی ضامن سمجھا جاتا ہے۔

آپ نے اپنے مریدیں کی ہدایت کیلئے انکے نام بیش بہا مکتوبات تحریر کئے ہیں یہ نہایت ہی مدلل اور بلیغ فارسی میں ہیں انمیں مسائل تصوف اس خوبی سے بیان کئے گئے ہیں کہ انکا مطالعہ علم تصوف کے مبتدی اور منتہی کیلئے یکساں فائدہ پہنچا سکتا ہے حضرت مخدومؒ نے اپنے ہر بیان کے اثبات میں آیات قرآنی، احادیث اور قدیم صوفیائے کرام کے عمدہ عمدہ قصائد بر موقع درج کئے ہیں۔ خوشی کی بات ہے کہ انکا اردو ترجمہ آج سے ۳۵ سال قبل یعنی ۱۳۱۸ف میں منشی محمد امیر حمزہ صاحب نے شائع کیا تھا جسکا تاریخی نام "مکاشفات سروری" ہے اس کتاب میں کل پینتیس ۳۵ مکتوبات کا ترجمہ ہے۔ یہ بڑی تقطیع کی سو صفحات کی کتاب ہے اسکے دیباچہ میں مرتب و مترجم نے لکھا ہے کہ:۔

"یہ خیال پیدا ہوا کہ سرور مخدوم کی ہدایتیں کہیں میری غلط فہمی سے ناکمل یا ناقص شائع نہ ہو جائیں اسلئے میں نے حیدرآباد کے مشہور عالم

اور مشہور بزرگ حضرت حاجی حافظ مولوی سید شاہ محمد عمر صاحب قادری
کی خدمت میں اصل کتاب اور مسودہ بغرض ملاحظہ پیش کیا میں بیحد ممنون ہوں
کہ آپنے بہت ہی تکلیف گوارا کر کے خلاصہ کو اصل کتاب کے ساتھ از جز تا کل
ملاحظہ فرما کر پسندیدگی ظاہر کی۔"

اس کتاب کے آخر میں ہند و دکن کے متعدد علماء اور مصنفین و محققین کی رائیں اور تنقیدیں بھی شائع کیگئی ہیں۔ دیگر اصحاب کے علاوہ حیدر آباد کے مشہور انشاد پرداز اور شاعر مہاراجہ یمین السلطنت سر کشن پرشاد شاد صوفی صدر اعظم باب حکومت (جو اس وقت مدار المہام ریاست تھے) کی رائے بھی شامل ہے جس کا اقتباس یہ ہے۔

"منشی محمد امیر حمزہ صاحب جنکو میں عرصہ سے جانتا ہوں اور جنکی لیاقت علمی
اور مذاق طبعی سے آگاہ ہوں انہوں نے مکتوبات فارسی حضرت ابو الخیرات
کو جسے گنجینۂ عرفان کہنا چاہئے اردو کا جامہ پہنا کر زیور طبع سے آراستہ کیا
اور حقیقت میں اپنی محنت کا ثبوت دیا ہے ایک مشکل کام کو سہل ممتنع کر دکھایا ہے :
کلام و تصوف پر جب تک تبحر نہ ہو اور عارفانہ مذاق سے دلی ذوق نہ اٹھایا ہو
اور گلستان وحدت کے اوج کی سیر نہ کی ہو اور شریعت و طریقت کے بازار کا
یوسف بن کر زلیخائے وحدت کا خریدار نہ بنا ہو ایسے کلام کا ترجمہ آسان کام
نہیں جس حد تک میں اس ترجمہ شدہ عبارت کی صورت میں مطلوب حقیقی کی
اصلی صورت پر نظر ڈالتا ہوں کوئی فرق نہیں دیکھتا.........."

اسی طرح سے اور عبارت ملخصہ کے بعد مہاراجہ بہادر نے یہ قطعہ بھی تحریر کیا ہے قطعہ

کیا ہے ترجمہ مکتوب کا جو حمزہ نے "مکاشفات سروری" رکھا ہے نام اسکا

دوئی کے رنگ میں وحدت کا نور ہے پیدا عجب مزہ کا ہے ای شاد یہ کلام اس کا

نمونہ مکتوبات سروری ان دلچسپ مکتوبات میں سے ہم بطور نمونہ دو تین کی منتخب عبارتیں یہاں پیش کرتے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے حضرت حاجی سیاح سرورؒ کا علمی تبحر اور مسائل تصوف سے واقفیت کا اندازہ ہوگا۔

— ۱ —

"جب ایک کامل فن معمار تعمیر مکان کا ارادہ کرتا ہے تو اول اسکے ذہن میں ایک مکان ہوتا ہے بالاجمال پھر اسکے تمام اجزا کو بالتفصیل اپنے ذہن میں بمقتضائے حکمت ترتیب کے موافق کاغذ پر نقشہ تیار کرتا ہے ٹھیک اسی کے مطابق خشت و مصالح سے در و دیوار بناکر مکان کھڑا کر دیتا ہے پس وہ اجمالی مکان جو ذہن میں ہے مقام لاھوتؐ ہے اسکی تفصیلی صورت جبروت اور اسکا نقشہ کاغذ پر عالم مثال یا ملکوت اور مکان تعمیر شدہ ناسوت ہے اور وہ حالت کہ نہ مکان تھا نہ اسکا نقشہ نہ تعمیر کا ارادہ نہ معمار کو اپنی اور نہ اپنے کمال کی قدر وہ ہاھوتؐ ہے۔" صفحہ ۱۳۔ مکتوب اول

— ۲ —

"آنحضرتؐ نے علماء کو نجوم سے تشبیہ دیکر یہ اشارہ کیا ہے کہ امت کو عالم سفلی سے عالم علوی و نورانی کی جانب متوجہ کرنا چاہئے۔

پس جاننا چاہئیے کہ جسطرح خدائے تعالیٰ نے از روے حکمت یہ قاعدہ مقرر فرمادیا ہی جس میں کوئی ردو بدل نہیں ہوسکتا کہ چاند آفتاب کی خلافت یعنی اسکی اتباع سے اور باقی دوسرے تارے چاند سے نور حاصل کرنے کے بعد دوسروں کو منور کرسکتے ہیں اسی طرح عالم خلافت حاصل ہونے کے بعد نجم کا مشابہ ہوسکتا ہے اور راہ راست بتلاسکتا ہے جس طرح آفتاب جب تک غروب نہ ہو چاند روشن نہیں ہوسکتا اور تاوقتیکہ چاند زوال پذیر نہ ہو ستارے درخشاں نہیں ہوتے اسی طرح آفتاب رسالت کے غروب ہونے کے بعد معرفت کا چاند طلوع ہوا اور جب ظلمت معصیت شب تاریک کی طرح عالمگیر ہوگئی تو ستاروں یعنی علماء سے رہنمائی کا کام لیا گیا۔ یہ جواب ہے اس اعتراض کا کہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں ارشاد و ارادت نہ تھی اور اب اس کا رواج بدعت میں داخل ہے۔ (صفحہ ۵۹ مکتوب ۱۴۔)

۴۳

"اگر کسی بادشاہ کا کوئی وزیر کسی شخص کو حضوری میں پیش کرے اور وہ شخص مخلصانہ خدمت ادا کرکے درجہ تقرب حاصل کرنے کے بعد طمع میں مبتلا اور خیانت کا مرتکب ہو تو بادشاہ اگرچہ وظائف وغیرہ جاری رکھتا ہے مگر اس سے بددل ہوجاتا ہے اور پھر وہ شخص خواہ کتنا ہی اخلاص سے کام لے اپنا سابقہ درجہ حاصل نہیں کرسکتا۔ اس مجازی واقعہ کو ہم حقیقت سے یوں منطبق کرسکتے ہیں کہ جو شخص پیر حیات کا مرید ہو اور بوجہ کمال اخلاص یا کیے اغوا ئے شیطانی اور ہوائے نفسانی سے بیفکر ہوکر درجہ تقرب

حاصل کرنے کے بعد اپنے میں غرور پیدا کرے تو وہ ایسا مردود ہوجاتا ہے کہ عمل ثقلین سے بھی اپنی اصلی حالت پر نہیں پہنچ سکتا

ایسے غرور کو ارتداد طریقت یعنی شرک خفی لامکان سے بھی زیادہ پوشیدہ ہوتا ہے

صفحہ ۹۷ مکتوب ۲۳۲

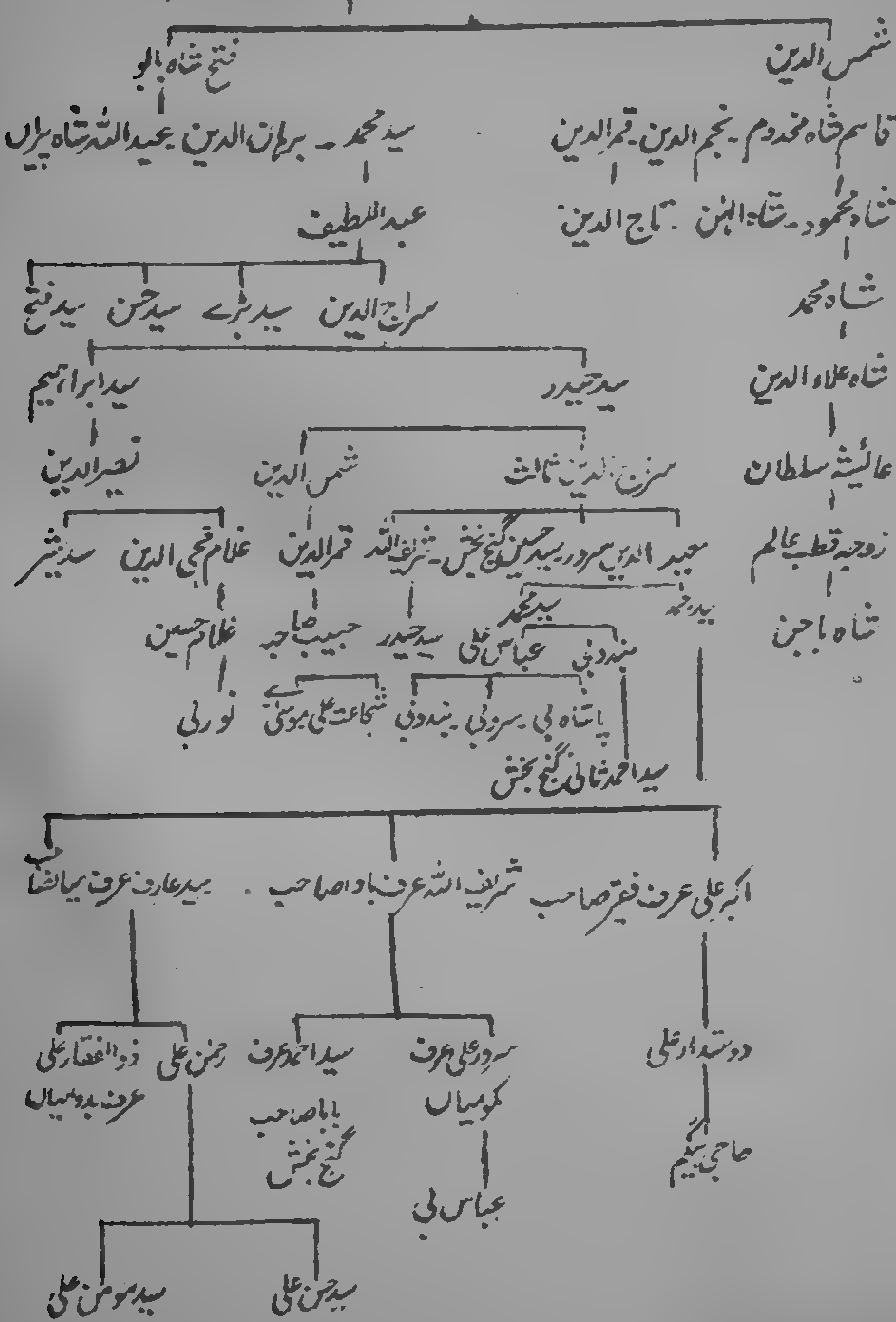
حضرت سرور مخدوم کا وصال اور مزار دکن تشریف لانے اور قندھار میں توطن پذیر ہونے کے دس سال بعد ۱۶ رجب ۷۳۶ھ کو حضرت مخدوم نے انتقال فرمایا مادہ تاریخ وفات "خلیل اللہ" ہے۔ آپکے فرزند نے جسم مبارک کو غسل دیا اور مریدین و معتقدین کی جماعت کثیر کے ساتھ نماز جنازہ ادا کیگئی۔ مسکن سے بالکل قریب ہی مدفن تیار کیا گیا جسپر نہایت شاندار گنبد کی تعمیر ہوئی۔ روضہ آجتک مرجع خاص و عام ہے

اولاد حضرت مخدوم کے دو فرزند تھے جنمیں پہلے فرزند زین الحق نے کمسنی میں انتقال کیا تھا دوسرے فرزند شاہ عزالحق عزیزالدین کے تین صاحبزادے تھے (۱) زین الدین (۲) سراج الدین (۳) نجم الدین۔ اول الذکر نے لاولد انتقال کیا دوسرے دو فرزندوں کی اولاد جاری رہی اور ابتک موجود ہے۔

حضرت مخدوم نے اپنی وفات سے قبل اپنے چھوٹے پوتے شاہ نجم الدین کو پاس بلایا اور انکے سر پر عمامہ رکھا اور تسبیح، مسواک مصلی اور عصا بھی مرحمت کیا جسکی بنا پر انھیں کی اولاد میں سجادگی کا سلسلہ جاری ہوگیا اور بڑے پوتے سید سراج الدین کی اولاد معاش و جاگیر پر قابض رہی اور سجادگی سے اس کو کوئی تعلق نہ تھا۔

اولاد سراج الدین ان کو دو فرزند شمس الدین اور فتح شاہ بالو تھے اول الذکر کی نسل نو پشت تک جاری رہنے کے بعد مسدود ہوگئی۔ فتح شاہ بالو کی اولاد میں چھٹے واسطے پر سید سراج الدین ثانی نے شاہ نجم الدین کے پڑپوتے سید شاہ بڑے کو اولاد نرینہ نہ ہونے سے خلافت کا بوجھ اپنے سر لیا لیکن ان پر مذہب امامیہ کی پیروی کا الزام لگایا گیا اور مسند خلافت سے اتار دیا گیا اور خلافت سید شاہ شیخ بڑے کے داماد سید محمد بندگی کے سپرد کیگئی۔ سراج الدین ثانی ناندیڑ آئے۔ خود کو الزامات سے بری ثابت کیا اس بناء پر اورنگ زیب عالمگیر نے منجملہ چھ مواضعات جاگیر متعلقہ روضہ حضرت مخدوم کے دو مواضعات سراج الدین ثانی کے نام منتقل کردیئے سراج الدین ثانی نے اپنے بقیہ ایام زندگی ناندیڑ میں بسر کئے لیکن انکے انتقال کے بعد انکے دونوں لڑکوں نے اپنے والد کی لاش راتوں رات قندھار پہنچائی اور روضہ کے احاطہ کے اندر غربی چھوٹے دروازہ کے مقابل مسجد کی دیوار کے ملحق دفن کردی اور صبح تک پختہ سنگ بستہ قبر تیار کردی چاہتے تھے کہ خلافت حاصل کریں اس لئے معرکہ آرائی پر تل گئے لیکن عمائدین شہر نے انہیں سمجھایا اور صدارت سے یہ حکم نافذ ہوا کہ آئندہ یہ اور ان کی اولاد حدود قندھار میں داخل نہ ہو ان کی اولاد اب تک ناندیڑ میں موجود ہے ان کا شجرہ نسب یہاں درج کیا جاتا ہے:۔

شجرہ اولاد شاہ سراج الدین نبیرہ حضرت مخدوم حاجی سیاح سرورؒ



اولاد شاہ نجم الدین ان کی اولاد میں چھٹے واسطہ پر شیخ بڑے اولاد نرینہ سے محروم رہے ان کی صاحبزادی منی بی صاحبہ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کی اولاد میں ایک صاحب مسمی سید محمد بندگی شاہ سے بیاہی گئی تھیں اور یہ ذکر گذر چکا ہے کہ سجادگی شاہ نجم الدین کے دوسرے بھائی کی اولاد میں منتقل ہوگئی تھی لیکن جاری نہ رہ سکی اور بندگی شاہ کی اولاد کو حاصل ہوگئی۔ چنانچہ اس خاندان میں یکے بعد دیگرے بارہ واسطوں تک سجادگی کا سلسلہ جاری رہا اتفاق کی بات ہے کہ محمد بندگی شاہ کا سلسلہ بھی احمد محمد الحسینی پر بارہ واسطوں کے بعد اولاد نرینہ نہ ہونے سے ختم ہوجاتا تھا اس لئے حال ہی میں ان کی دختر (زوجہ تراب پاشاہ صاحب) سجادگی کی وارث قرار دی گئی ہیں لیکن احمد محمدؐ الحسینی کے بڑے بھائی راجو محمدؐ الحسینی کی دختر (جو نورالدین شاہ برادر عبدالحی صاحب تمیمی کی زوجہ ہیں) بھی اس خدمت کی دعویدار ہیں۔

حضرت مخدوم کی اولاد میں بھی متعدد صاحب علم و فضل اور رہبر طریقت گذرے ہیں مگر افسوس ہے کہ ان کے متعلق باوجود تلاش کے تفصیلی معلومات حاصل نہ ہوسکے۔ البتہ شہ میاں صاحب محمدؐ محمدؐ الحسینی کے والد سید شاہ راجو محمدؐ محمدؐ الحسینی نہایت مشہور بزرگ اور صوفی تھے اور اکثر معمر اصحاب سے ان کے فضائل کا تذکرہ سننے میں آتا ہے۔

شجرۂ اولاد شاہ نجم الدین نبیرہ حضرت مخدوم حاجی سیاح سرور رحمتہ

یوسف اللہ

شاہ چمن

ارشد الدین

شاہ بڑے

شاہ ارشد ثانی — شاہ اسمٰعیل

شیخ بڑے — فتح شاہ بی بی

غنی بی۔ زوجہ سید محمد بندگی شاہ

(از اولاد خواجہ بندہ نواز)

سجادہ نمبر

۲۔ سید شاہ محمد

۳۔ شاہ سعد اللہ

۴۔ شاہ ابراہیم لکاوٹ

۵۔ شاہ درویش عزالحق

۶۔ شاہ ابراہیم دیوان صاحب — غلام نبی

۷۔ اعزالحق محمد اکبر حسینی — دختر منسوب بہ سجادہ صاحب بیجاپور

۸۔ سید شاہ راجو محمد محمد الحسینی

۹۔ اسد اللہ محمد محمد الحسینی — ۱۰۔ سیے میاں محمد محمد الحسینی

۱۲۔ احمد محمد الحسینی — ۱۱۔ سید راجو محمد محمد الحسینی

دختر — دختر منسوب بہ نور الدین شاہ برادر عبد الحی شاہ صاحب

(منسوب بہ تراب پاشاہ صاحب سجادہ)

فصلِ سوم

حضرت شاہ سید شیخ علی سانگڑے سلطان مشکل آسان قدس سرہٗ

اور ان کی اولاد

آپ بھی حضرت سید احمد کبیر رفاعی کی اولاد سے ہیں آپ کا اور حضرت حاجی سیاح سرور مخدومؒ کا سلسلۂ نسب اس طرح ملتا ہے:۔ حضرت قطب الاقطاب سید احمد کبیر معشوق اللہ رفاعی

سید علی السکران
سید ابراہیم الاعزب
سید عبداللہ
سید یحیٰی
سید محمد
سید نجم الدین
سید سعید الدین حضرت
حاجی سیاح سرور مخدوم

سید مہذب الدین
سید ابراہیم رفاعی
سید احمد
سید نجم الدین
سید احمد
سید تاج الدین
سید احمد
سید شریف محمد
سید برہان الدین
سید شیخ ابراہیم
سید احمد
سید محمد
سید شاہ علی سانگڑے
سلطان مشکل آسان قدس سرہٗ

حضرت شیخ ضیاء الدین عبدالکریم بیابانی حضرت سید علی سانگڑے سلطان مشکل آسان ہی کے ہمشیرزادے اور خلیفہ ہیں۔ چنانچہ حضرت بیابانی نے اپنے ماموں اور پیرو مرشد حضرت سانگڑے سلطان کے ملفوظات اپنی مشہور و معروف تالیف "مطلوب الطالبین" میں خاص اہتمام اور اعتقاد سے جمع کردیئے ہیں۔

حضرت سید ابراہیم سپہ سالار — حضرت سانگڑے سلطان کے

جد امجد حضرت سید شیخ ابراہیم سپہ سالار محمد تغلق کی فوجوں کے ساتھ دکن میں وارد ہوئے ان میں اور حضرت مخدوم میں خاص خلوص اور محبت تھی اس لئے انکے ساتھ

قندھار ہی میں فروکش ہو گئے چونکہ دونوں دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الہی کی صحبت سے مستفیض ہو رہے تھے اور انکے انتقال کے بعد وہاں سے دونوں ساتھ نکلے تھے اسلئے آخر تک ایک دوسرے کا ساتھ نہ چھوٹا۔

حضرت ابراہیم سپہ سالار پر حضرت محبوب اولیاؒ کی خاص نظر عنایت تھی اور انکے دربار سے آپکو شیخ کا لقب سرفراز ہوا تو آپ بتے اس لفظ کو اپنے نام کے ساتھ تعظیماً شامل کر لیا۔ چونکہ حضرت محبوب الہیؒ ہمیشہ شیخ کے لقب سے یاد فرماتے تھے اسکی ایسی شہرت ہوئی کہ یہ آپکے نام کا جزو لاینفک بن گیا۔

جب آپ اور حضرت مخدوم فتوحات کرتے ہوئے قندھار پہنچے تو موخر الذکر نے تالاب کے کنارے مشرقی حصہ میں اقامت اختیار کی اور حضرت ابراہیم سپہ سالار نے تالاب کے غربی حصہ پر اپنی چھاونی ڈالی جہاں ابتک آپکی اولاد قیام پذیر ہے آپ نے پرگنہ کلیان میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے

حضرت سید محمد ذکریا حضرت ابراہیم کے فرزند سید محمد بچپن ہی سے نہایت ذاکر و شاغل تھے اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے حضرت مخدوم انھیں بہت دوست رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ جب کبھی انھیں یاد فرماتے تو شیخ ذکریا کے لقب سے۔ حضرت مخدوم کا عطا کیا ہوا یہ خطاب ایسا مقبول ہوا کہ حضرت سید محمد اور انکے فرزند سید احمد کے ناموں کے ساتھ شیخ اور ذکریا دونوں لفظ ہمیشہ کیلئے شامل ہو گئے۔ حضرت سید محمد نے قندھار ہی میں انتقال فرمایا

اور اپنے والد کی بسائی ہوئی چھاونی کے وسط میں مدفون ہوئے آپ کے مزار پر گنبد بھی بنا دیا گیا تھا جو اس وقت شکستہ حالت میں موجود ہے۔

حضرت سید احمد ذکریا حضرت محمد ذکریا کے فرزند سید شیخ احمد ذکریا رفاعی بھی اپنے باپ کے صحیح جانشین تھے آپکا مزار بھی اسی شکستہ گنبد میں ہے۔ آپ ہی وہ خوش قسمت باپ ہیں جن کے گھر حضرت عاشق بے ریا سید علی شاہ سانگڑے سلطان مشکل آسان اور انکی ہمشیرہ محترمہ یعنی والدہ حضرت شیخ ضیاء الدین عبدالکریم ہیا بانی پیدا ہوئیں یہ وہ بزرگ ہستیاں ہیں جن کی وجہ سے سرزمین دکن مشرق سے مغرب تک فیضیاب ہو گئی

حضرت سانگڑے سلطان کے حالات زندگی حضرت سانگڑے سلطان آٹھویں صدی ہجری کے اواخر میں شہر قندھار (ضلع ناندیڑ) میں پیدا ہوئے۔

آپ کو سیر و سیاحت اور تبلیغ اسلام سے خاص دلچسپی تھی۔ چنانچہ آپکے لقب سے متعلق تواریخ میں جو توجیہیں کی جاتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دکن کے مختلف مقامات کے علاوہ پنجاب اور سندھ وغیرہ کا بھی سفر کیا تھا چنانچہ جب سندھ میں قصبہ سنگڑہ میں کچھ عرصہ مقیم رہے تو آپکے کشف و کرامات دیکھ کر وہاں کی مخلوق جوق جوق آپکے زمرۂ معتقدین میں شامل ہونے لگی اور آپکو حسن عقیدت کی بناء پر سانگڑے سلطان کے لقب سے یاد کرنے لگی۔ ایک اور روایت یہ لکھی گئی ہے کہ قلعہ دولت آباد میں سنگڑا نامی ایک شخص رہا کرتا تھا جس نے نیرنجات کے ذریعہ سے لوگوں کو بدعقائد بنا رکھا تھا۔ آپ نے اس پر غلبہ پایا اور اس وقت سے آپ کا لقب سانگڑے سلطان

مشہور ہوگیا۔ تیسری روایت یہ ہے کہ آپکو اپنے پردادا سید ابراہیم سپہ سالار سے سپاہی منشی اور ورزش کا شوق ورثہ میں ملا تھا اور آپ ہمیشہ جہاد کیلئے مستعد رہتے اور جب راہ چلتے تو آپکے دونوں ہاتھوں میں دو سانگ (برچھی کی طرح لانبا ہتھیار) رہا کرتے جن کے استعمال پر آپکو غیر معمولی قدرت حاصل تھی اور اس فن میں بڑے بڑے استادوں نے آپکی شاگردی کا فخر حاصل کیا تھا۔ اسلئے سب دکھنی سپاہیوں نے آپکو سانگڑے سلطان مشہور کیا یہ دونوں سانگ اس وقت آپکے مزار کے پاس موجود ہیں

حضرت سانگڑے سلطان کا تقدس اور فضائل علمیہ

حضرت کو قادریہ اور رفاعیہ دونوں طریقوں میں خلافت حاصل تھی جس کی تفصیل تواریخ میں موجود ہے۔
آپ ایک جید عالم و فاضل مصنف ہونے کے علاوہ زاہد مرتاض اور صاحب باطن بزرگ تھے آپکے کشف و کرامات اور تقدس و عرفان کی شہرت آپکی زندگی ہی میں ہو چکی تھی۔ مولانا شاہ رفیع الدینؒ نے اپنی مشہور کتاب "تاریخ انوار القندھار" (مولفہ سنہ ۱۲۱۳ھ) میں آپکے حالات تفصیل سے تحریر فرمائے ہیں ایک جگہ لکھا ہے:- "عالم بودہ لعلوم ظاہر و باطن تصانیف نیکو داشت چوں عین الجمال وغیرہ اما در تاراجی و ویرانی قصبہ مفقود گشتہ...

.... مزار ایشاں بسیار غنیمت کہ نزول برکات و استجابت دعا است"۔

افسوس ہے کہ آپ کے تصانیف اس وقت مفقود ہیں لیکن کیا تعجب ہے کہ جس طرح دوسری قدیم قلمی کتابیں آج کل منظر عام پر آرہی ہیں کہیں سے آپ کی تصنیفات بھی نکل آئیں قندھار سیاسی حیثیت سے ایک عجیب و غریب شہر واقع ہوا تھا

ہر طاقتور امیر یا راجہ اس پر قبضہ کرنا چاہتا اور ہر حملہ کے وقت مال و متاع کے ساتھ ساتھ کتابیں اور قدیم کاغذات بھی تلف ہو جاتے۔ ان تباہیوں کی تفصیل "تاریخ قندھار دکن" (مولفہ منشی امیر حمزہ) میں موجود ہے یہ کتاب مطبوعہ اور عام طور پر دستیاب ہوتی ہے

حضرت سانگڑے سلطان کے ملفوظات

اگرچہ اس وقت تصانیف موجود نہیں ہیں لیکن ان کے ملفوظات اور ارشادات ان کے خلیفہ اور ہمشیر زادے شاہ ضیاء الدین بیابانی نے "مطلوب الطالبین" میں جمع کر دے ہیں چنانچہ مولانا شاہ رفیع الدین نے اس کتاب سے آپکے متعدد ارشادات "انوار القندھار" میں نقل فرمائے ہیں۔ یہاں حضرت سانگڑے سلطان کا ایک ارشاد اصل الفاظ یعنی فارسی میں نقل کیا جاتا ہے اور اسکے بعد بعض ارشادات کا اردو میں ترجمہ پیش کیا جائیگا۔ ان کے مطالعہ سے واضح ہو جائیگا کہ آپ کس پایہ کے بزرگ تھے اور آپکے قلب پر کثرت مطالعہ اور زہد و ریاضت نے اخلاق و تصوف کے کیسے کیسے مضامین اور علم و فضل کے کیسے کیسے نکات منکشف کر دیئے تھے شاہ ضیاء الدین بیابانی لکھتے ہیں کہ "پیر این درویش ضعیف شیخ الاسلام والمسلمین محب الانبیاء والمرسلین ختم العاشقین حضرت شیخ علی شاہ عاشق پیر المعروف سانگڑے سلطان مشکل آسان رفاعی قدس سرہ فرمودہ کہ "علم روشن کنندۂ دل و عقل افزائندہ است از طفیل علم دنیا بدست آید و ہم عقبیٰ روئے نماید۔ اما دنیا چہ چیز است کہ نزدیک محققان بہ پر پشہ نمی آرد۔ و علم شئے نفیس

دگوہر بے بہا است یعنی ہر جا جستے و اسباب راحتے باشد از خود فنا پذیرد۔ اما علم حاصل کردہ بدست آوردہ باشد آں ہرگز خود فنا نہ پذیرد چہ خوش فرمودہ است

العلم زین الرجال و خیرہم — والعلم افضل من کنوز الجوہر
وتغنی الکنوز علی الزمان المرۃ — والعلم یبقی باقیات العصر
مرد کہ از علم تونگر بود! — گنج نظرش بر گہر و زر بود
چوں علم کجا یار موافق یابی — ہر جا کہ روی با تو بود بیتابی
انسان کہ ہمی روند با طبل و علم — حقا کہ نمی رسند با اہل قلم

اب ہم حضرت سانگڑے سلطاں کے دو ارشادات کا اردو ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ تاکہ ہر شخص ان سے مستفید ہو سکے "متوکل کو کیا چاہئیے؟" اس عنوان کے تحت آپ نے فرمایا کہ:۔

"متوکل کو چاہئیے کہ فراغت و کشادہ دلی سے شاد نہ ہو اور نہ تنگی و عسرت میں غمگین ہمت بلند رکھے۔ کبھی سست نہ رہے۔ اور نہ دل پر ملال لائے جو کچھ آمدنی ناخواستہ اور بغیر مانگے وصول ہو اسکو قبول کرلے اور واپس نہ کرے کہا گیا ہے کہ "الفتوح لا ارد ولا امد ولا اکد" یعنی جو غیب سے ملے اسکو رد نہ کرے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خود اسکو خدا ہر دو قرار دے کیونکہ آمدنی خدا ہی بھیجتا ہے۔۔۔۔۔ اور اگر کچھ ملے تو اور زیادہ کی خواہش نہ کرے۔ سکہ کو پاؤں کے نیچے نہ آنے دے کیونکہ اس پر خدا کے نام کندہ ہوتے ہیں اور اگر

خدا کا نام نہ ہو تو بادشاہ کا نام ہوتا ہے۔ اور خلیفۃ اللہ کا نام بھی پاؤں کے نیچے نہ آنا چاہئے اگر بادشاہ کا نام بھی نہ ہو تو حروف ہوں گے ان امور کے لحاظ سے کبھی سکہ کو کھنڈلاہٹ میں نہ رکھے ہر جگہ اور ہر مقام پر دہی ہے اسکا خیال رکھے تاکہ خدائے تعالیٰ کی نظر میں ہمیشہ عزیز رہے جو کچھ غیب سے آمدنی ہو اسکو خدائے تعالیٰ کا بے نہایت خزانہ سمجھے لیکن بھیجنے والے کے حقوق و احسان کو فراموش نہ کرے "

قدیم زمانہ میں عوام اعتقاد سے درگاہوں کے صحن میں چاندی اور تانبے کے سکے فرش میں گاڑ دیا کرتے تھے۔ حضرت نے متذکرہ بالا نصیحت میں اس عمل کی سخت ممانعت فرمادی غریبوں اور بیکسوں کی امداد کے لئے ایک دفعہ ارشاد فرمایا:۔

" تمکو چاہئے کہ حسن خلق سے رہو اور ہر ایک کی تعظیم کا خیال رکھو، خاص کر اون لوگوں کی جو پڑے پھرتے ہیں سر و پا برہنہ، دلق پوش و گودڑی پوش کیونکہ خلق کی نظر میں وہی خوار ترین ہوتے ہیں لیکن خدا کے یہاں وہ عزیز ترین ہیں۔ چنانچہ حدیث نبوی ہے۔ " الفقر شین عند الناس و زین عند اللہ تعالیٰ (فقر بندوں کے نزدیک عیب اور خدا کے پاس خوبی ہے) تمہیں چاہئے کہ انکو ڈھونڈیں اور اچھے اخلاق سے انکے دلوں کو اپنے ہاتھ میں لیں، اگر روٹی نہ کھلا سکیں تو انسانیت و اخلاق سے تو پیش آئیں "

سنہ ۸۳۲ھ میں حضرت مشکل آسان خراسان کے سفر سے واپس تشریف لا کر اس جگہ مقیم ہوئے جہاں اب مزار مبارک ہے۔

حضرت سانگڑے سلطان کا وصال اور مزار حضرت نے قندھار شریف ہی میں سنہ ۸۴۶ھ میں وفات پائی "مشکل کشائے دین و دنیا"

مادہ تاریخ ہے آپ قندھار میں تالاب کے کنارے اپنے پردادا کی بنائی ہوئی چھاونی میں اپنے والد اور دادا کے مزار سے کچھ فاصلہ پر مدفون ہوئے آپکے گنبد اور خانقاہ کی تعمیر آپکے مریدین اور معتقدین میں سے ایک متمول تاجر نے کی ہے جو سندھ کا رہنے والا قوم سانگڑے تھا۔ اسکا جہاز تباہی میں آگیا تھا۔ اس نے آپ سے استمداد چاہی اور فضل آلہی سے اس جہاز کو طوفان سے نجات ملی اور تاجر کی جان بچ گئی جسکے بعد وہ قندھار آیا اور گنبد، خانقاہ اور مسجد وغیرہ تیار کی۔ اس تاجر کی سنگ بستہ قبر بھی آپکے روضہ کے شمالی جانب تالاب کے کنارے موجود ہے۔

آپ نے قلعہ دولت آباد میں بھی راجہ رام دیو کے عہد کی ایک گنتی کے دیول میں ایک عرصہ تک قیام پذیر ہوکر چلہ کشی کی تھی۔ اسلئے وہ مقام اب تک سانگڑے سلطان کے روضہ کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت سانگڑے سلطان کی اولاد

حضرت کی دو بیویاں تھیں۔ جمال بی بی صاحبہ اور تارا بی بی صاحبہ صرف اول الذکر ہی سے تین فرزند ہوئے۔ سید عظیم الدین۔ سید احمد منجھلے چلہ دار اور سید معین الدین۔ بڑے فرزند نے دنیوی حکومت میں اعزاز حاصل کیا۔ کسی بادشاہ کے وزیر بھی ہوگئے تھے اور خطاب بھی حاصل کیا تھا یہ سلطان احمد بہمنی کا عہد حکومت تھا اور ہندوستان میں طوائف الملوکی پھیلی ہوی تھی۔ جب آپ امارت کے شان وشکوہ کے ساتھ اپنے والد سے ملنے آئے تو حضرت نے ان کیلئے دعا مانگی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے جد امجد حضرت ابراہیم سپہ سالار کی طرح

آپ بھی امارت اور حکومت کو چھوڑ کر ذکر و شغل میں مشغول ہو گئے اور اسی سلسلہ میں آپ کا دل دھڑکنے لگا اور کچھ ہی عرصہ میں وفات پائی۔

سب سے چھوٹے فرزند کا جلالی مزاج تھا اسلئے شاہ کڑک مشہور ہوئے انکی کرامات سے یہ بہت مشہور ہے کہ انکے اشارے سے دیوار نے ذی روح کی طرح حرکت کی تھی۔ ان دونوں بزرگ زادوں کے مزار قندھار میں محلہ غازی پورہ کے پاس ہیں اور شاہ کڑک و شاہ دھڑک کے نام سے مشہور زیارت گاہ ہیں۔

حضرت شاہ احمد منجھلے چلہ دار

سانگڑے سلطان کے منجھلے فرزند حضرت سید احمد اپنے والد بزرگوار کے صحیح جانشین تھے۔ علوم ظاہر و باطن پر پورے حاوی اور شغل و اذکار و چلہ کشی میں ثابت قدم تھے اسلئے حضرت نے خرقہ خلافت و اجازت آپ کو عطا فرمایا چنانچہ آپ ہی سجادہ نشین ہوئے۔ آپکا مزار حضرت کے گنبد کے روبرو چھوٹے گنبد میں ہے۔ غالباً اُسی جگہ آپ چلہ کش رہا کرتے تھے اور بعد وفات وہیں مدفون ہوئے اور اس کمرہ پر گنبد بنا دیا گیا

سید شاہ احمد کے فرزند سید شاہ معین الدین اور انکے فرزند سید شاہ میرانجی یکے بعد دیگرے حضرت مشکل آسان کی درگاہ کے سجادے ہوئے۔ شاہ میرانجی کے کئی فرزند تھے اسلئے انکے بعد درگاہ کے اخراجات عود و گل کیلئے جو جاگیرات سرکار سے عطا کی گئی تھیں انکی اولاد میں تقسیم ہو گئیں لیکن شاہ برہان بڑے تھے اسلئے وہی سجادہ مقرر ہوئے۔ منجھلے فرزند شاہ سالار کو جاگیر میں سے چھٹواں حصہ ملتا رہا۔ ایک اور فرزند شاہ حسین بھی تھے جنکی اولاد بعد کو منجور (جنوبی ہند) کی طرف ہجرت کر گئی۔ اس وقت حضرت مشکل آسان کی جو اولاد قندھار شریف میں ہے وہ حضرت میرانجی کے انھیں دو فرزندوں یعنی شاہ برہان اور شاہ سالار کی ہے۔

اولادحضرت سید شاہ شیخ علی سانگڑے سلطان مشکل آسان ؒ

- سید عظیم الدین شاہ دھڑاک
- سید احمد منجھلے جلیدار
  - سید معین الدین
    - سید شاہ میراںجی
      - سید شاہ برہان
        - شاہ میراںجی ثانی
          - شاہ برہان ثانی
          - شاہ الہدا
          - شاہ حمزہ
          - ان کی اولاد میں سید شاہ برہان اللہ حسینی صاحب اوران کی اولاد موجود ہے
      - سید شاہ سالار
        - سید شاہ احمد ثانی
          - شاہ مہذب الدین
            - سید نورالحق (گجرات کی طرف چلے گئے۔)
          - شاہ سالار ثانی
            - شاہ نجم الدین
              - ان کی اولاد میں سید غلام محمد شاہ صاحب قادری اور سید ہدایت اللہ حسینی صاحب اور ان کی اولاد موجود ہے
      - سید شاہ حسین
        - شاہ ضیاء الدین
          - شاہ عبدالرحیم
          - شاہ عبدالکریم
          - (تنجاور جنوبی ہند کی طرف چلے گئے)
- سید معین الدین شاہ محمد ترک

اولاد شاہ برہان ان کے فرزند شاہ میراں جی ثانی سجادہ نشین ہوئے۔ انکے تین فرزند تھے شاہ برہان ثانی، شاہ حمزہ شاہ الہداد۔ پہلے سجادہ، دوسرے متولی، اورتیسرے حصہ دار جاگیر ہوئے لیکن موخرالذکر دو کی اولاد جاری نہ رہی۔ کیونکہ شاہ الہداد کی اولاد میں شاہ عالم اور شاہ اسمعیل دونوں لاولد فوت ہوئے۔ اور شاہ حمزہ کے فرزند شاہ علی کے بھی اولاد نرینہ نہ تھی اسلئے ان کی دختر کی اولاد حضرت مشکل آسان کی درگاہ کی متولی ہوئی اور اپنے ناناکی معاش پراب تک قابض ہے۔ منسلکہ شجرہ سے ان کے نام اور تعلقات واضح ہونگے

شاہ برہان ثانیؒ کے دو فرزند تھے۔ بڑے فرزند شاہ عبد النبی سجادہ ہوئے اور انکی اولاد چار پشت تک اس منصب جلیلہ پر فایز رہی لیکن آخر کار سید شاہ غلام حیدر اور شاہ صاحب پیراں سجادہ کے لاولد انتقال کر جاتے اور اِس خاندان میں اولاد نرینہ باقی نہ ہونے کی وجہ سے شاہ برہان ثانی کے چھوٹے فرزند شاہ عبد الستار کی اولاد میں سجادگی منتقل ہوگئی۔ شاہ عبد النبی کی نسل میں رفاعی بیگم زوجہ عبد اللہ صاحب نبیرہ مولانا شاہ رفیع الدین کی اولاد (ضیاء الدین صاحب اور اقبال احمد صاحب وغیرہ) اسوقت موجود ہے۔

شاہ برہان اللہ شاہ برہان ثانی کے دوسرے فرزند شاہ عبد الستار عرف پنج گنج کے پوتے تھے انکے نبیرہ شاہ برہان اللہ صاحب بڑے شاغل و ذاکر اور صاحب ریاضت و مجاہدہ تھے۔ دن رات ذکر و شغل میں مصروف رہتے تھے حیدرآباد کے مشہور بزرگ ور اہل دل شاہ موسیٰ قادری صاحب کو آپ سے قلبی محبت تھی۔ بالجملہ مراسلت و مکاتبت بھی کرتے تھے آپ حیدرآباد بھی آئے تھے اور چار محل کے متصل خانقاہ بنوائی تھی۔ علم تصوف و حقایق میں کامل مہارت رکھتے تھے ایک عالم آپکے فیض عام سے سیراب ہوتا تھا۔ آپکا تکیہ اسوقت تک موجود ہے۔

شاہ عبد الستار ثانی اور شاہ سرور شاہ برہان اللہ کے دو بھائی تھے شاہ عبد الستار ثانی ۲۔ شاہ سرور اول الذکر نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ بہادر کے ہمراہ احمد آباد گجرات میں تھے وہیں ۱۱۹۰ھ میں وفات پائی۔ شاہ سرور صاحب بھی اہل اللہ سے تھے۔ صاحب تذکرہ اولیائے دکن نے لکھا ہے "درویشی کو آپکی ذات سے رونق تھی۔ بزرگی آپکے نام پر ناز کرتی تھی۔ آپکی وفات ۱۲۰۲ھ میں ہوئی" قندھار میں مدفون ہوئے۔

شاہ برہان اللہ حسینی سروری شاہ برہان اللہ کے نبیرہ تھے۔ اپنے دادا کے بھائی شاہ سرور کے نام کی مناسبت سے سروری تخلص فرماتے تھے۔ فارسی کے اچھے شاعر تھے اور صائب کی طرز میں شعر لکھتے تھے۔ انکا کلام اس خاندان میں محفوظ ہے۔ ان سے مولانا شاہ رفیع الدین کی دختر بھی منسوب تھیں جنکے بطن سے ایک دختر تولد ہوئیں جو امیر الدین محتسب بنولہ سے منسوب ہوئیں انکی اولاد میں فخر الدین صاحب اور قمر الدین صاحب اور زوجہ شاہ برہان اللہ حسینی صاحب سجادہ مشکل آسانؒ اس وقت موجود ہیں۔

سید شاہ رحمت اللہ حسینی سجادہ شاہ برہان اللہ حسینی کی دوسری بیوی غلام امجد برادر محتسب پالم کی دختر تھیں انکے بطن سے رحمت اللہ حسینی پیدا ہوئے جو درگاہ مشکل آسان کے تیرہویں سجادہ تھے۔ ان سے مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کی پوتری یعنے شاہ حامد حسین صاحب محتسب بنولہ کی دختر منسوب تھیں۔ یہ اگرچہ شاہ برہان ثانی کے چھوٹے فرزند شاہ عبد الستار کی اولاد میں تھے لیکن انکے بڑے فرزند اور سجادہ شاہ عبد الغنی کی اولاد میں صاحب پیران سجادہ اور شاہ غلام حیدر سجادہ کے اولاد فوت ہو جانے سے سجادگی چھوٹے فرزند کی اولاد میں منتقل ہو گئی۔ شاہ رحمت اللہ حسینی صاحب اپنے خاندان کے بزرگ مولانا شاہ بدیع الدین صاحب رفاعیؒ (جو شاہ میرانجی اول کے منجھلے فرزند شاہ سالار کی اولاد تھے) خاندانی خلافت اور بیعت حاصل کر کے سجادہ ہوئے۔ کیونکہ وہی شخص سجادہ ہو سکتا تھا جس نے گذشتہ سجادہ یا خاندان کے کسی بزرگ سے خاندانی فیوض و بیعت حاصل کی ہو۔



حضرت سید شاه برهان‌الله حسینی صاحب
سجاده حضرت مشکل آسان

سید شاہ برہان اللہ حسینی سجادہ آپ شاہ رحمت اللہ حسینی صاحب کے اکلوتے فرزند اور درگاہ حضرت خنگل آسمان کے حال سجادہ ہیں۔ آپکو بھی اپنے مشہور دادا شاہ برہان اللہ صاحب کی طرح شعر و سخن اور علم و فضل کا ذوق ہے۔ آپکے ماموں رفیع الدین حسین صاحب نفیس بھی ایک پختہ مشق اور مشہور شاعر تھے۔ شاہ برہان اللہ حسینی صاحب ایک سنجیدہ اور شائستہ بزرگ ہیں۔ اپنے اخلاق اور وضعداری کی وجہ سے مشہور ہیں آپ سید احمد محی الدین صاحب برادر محتسب نبولہ کی دختر منسوب ہیں جن سے آپ کے دو صاحبزادے ہیں۔ سید رحمت اللہ حسینی اور سید احمد اللہ حسینی آپکے کلام میں خاص روانی ہے۔ علاؔ تخلص فرماتے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

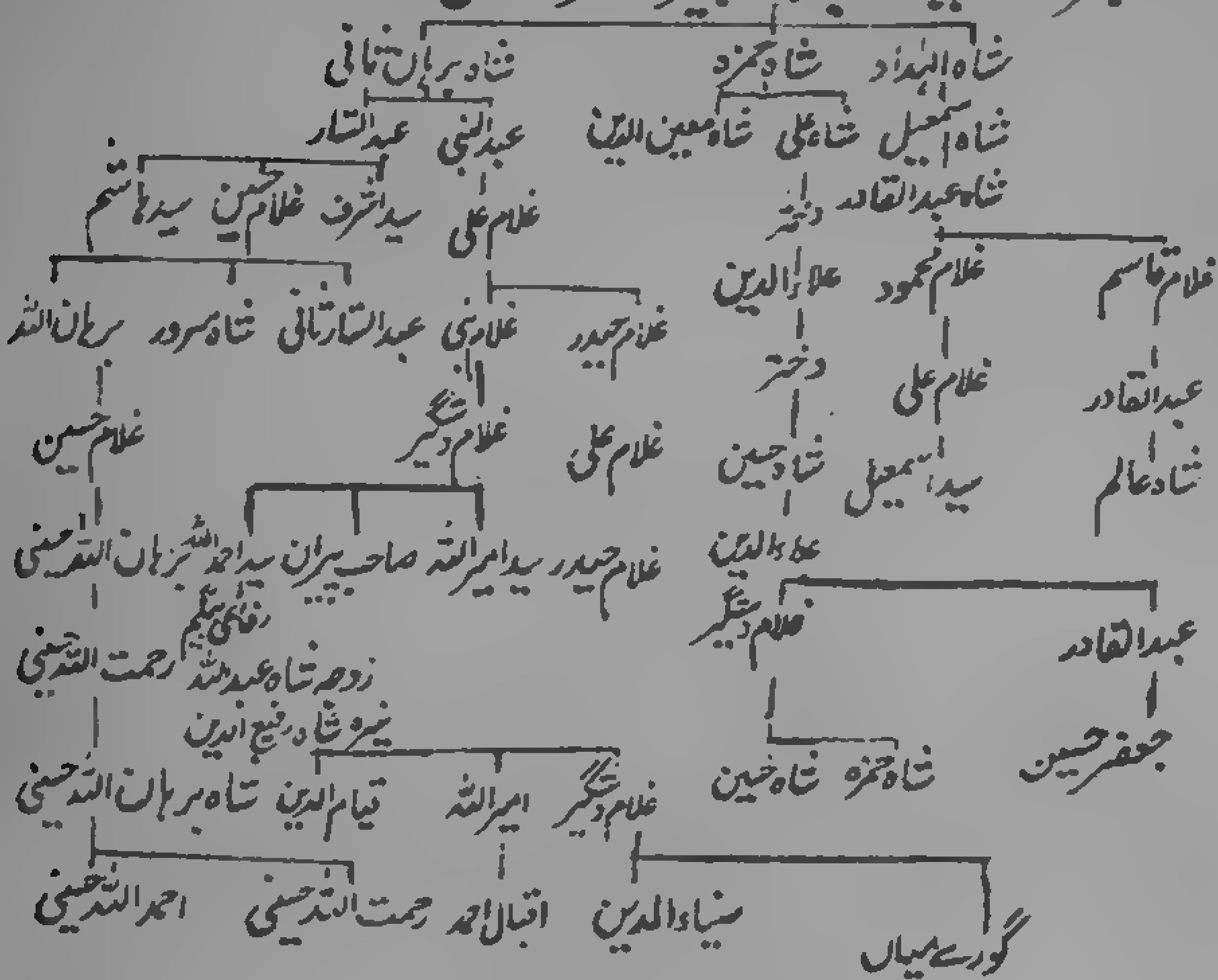
طفیل لاغری دوش صبا پر سیر کرتا ہوں
نہ تھا ہر باغ میں پہلے کبھی میرا گذر اتنا
تمہیں سے پوچھتا ہوں میں طریقہ تم سے ملنے کا
زیادہ قرب نے مجھکو کیا ہے بے خبر اتنا
نگاہ شوق لے آئی ہے انکو کھینچ کر مجھ تک
مجھے باور نہ تھا مضبوط ہے تار نظر اتنا

کیا بتائیں ہم تم کو ہے کہاں مکاں اپنا
ہیں نہاں ہر ایک شئے میں جلوہ ہے عیاں اپنا
کیوں وہ چھیڑتے مجھکو پہلے گر سمجھ لیتے
میری آزمائش میں ہوگا امتحاں اپنا

کیوں کسی کی نظروں سے مثل اشک گرجاتا
گر عنایتیں تیری مجھ پہ دلربا ہوتیں
یہ نہ ہوتا اندیشہ تو خوشی سے مرجاتے
ہم نہ ہوں تو دنیا کی سب بلائیں کیا ہوتیں
سرفروشیاں میری کج ادائیاں ان کی
کچھ تو امتحاں ہوتا جمع ایک جا ہوتیں

ضعف گریہ سے جو پڑ جاتا ہوں
در در بن کر وہ اٹھا دیتے ہیں
خاک چھنواتے ہیں صحراؤں کی
مجھ کو مٹی میں ملا دیتے ہیں
آپ کے دل کو تو جنبش نہ ہوئی
عرش کو نالے ہلا دیتے ہیں

شجرہ اولاد سید شاہ برہان نبیرہ حضرت مشکل آسانؒ



اولاد حضرت سید شاہ سالار | شاہ میرانجی نبیرہ حضرت سید علی سانگڑوے سلطان مشکل آسانؒ کے دوسرے فرزند شاہ سالار کی اولاد بھی اسوقت قندھار میں موجود ہے۔ انکے فرزند سید احمد کے دو صاحبزادے تھے۔ ۱۔ شاہ سالار ثانی ۲۔ شاہ مہذب الدین جن کے فرزند سید نور الحق گجرات کی طرف چلے گئے اب قندھار میں صرف شاہ سالار ثانی ہی کی اولاد موجود ہے۔

سید شاہ جلال الدین رفاعی خاں | شاہ سالار کے فرزند شاہ نجم الدین سے شاہ نعمت اللہ حسینی نبیرۂ حضرت مشکل آسانؒ کی دختر منسوب تھیں جنکے بطن سے شاہ جلال الدین رفاعی پیدا ہوئے جو مولانا شاہ رفیع الدین کے ہم عصر اور نہایت خوش حال

اور صاحب ثروت بزرگ تھے۔ آپکے یہاں سرکاری ضروریات کی خاطر متعدد اونٹ تھے۔ اور انہی سرکاری تعلقات نے آپکو رفاعی خاں مشہور کر دیا۔ اور یہ عرف عوام کی زبان پر رفو خاں بن گیا چنانچہ تاریخ انوار القندھار (مرتبہ ۱۲۱۴ھ) میں حضرت مشکل آسان کی اولاد کے تذکرہ میں آپکو سید جلال الدین عرف رفو خاں لکھا ہے۔ آپ نے ۱۲۱۴ھ کے بعد وفات پائی۔

حضرت سید محمد رفاعی شاہ جلال الدین کی بیوی سید اسمٰعیل نبیرہ حضرت مشکل آسان کی صاحبزادی اور محمد صلاح الدین قاضی عثمان نگر (سار باڑ) کی نواسی تھیں۔ ان سے ایک صاحبزادے تولد ہوئے جنکو حضرت مشکل آسان کے والد کے نام پر سید محمد موسوم کیا گیا آپ نہایت عالم و فاضل اور باخدا صوفی تھے۔ آپکو مطالعہ اور تصنیف و تالیف سے خاص شغف تھا۔ اگرچہ امتداد زمانہ نے بہت سے علمی ذخیروں کو نیست و نابود کر دیا لیکن آپکے خاندان میں آپکی نقل کی ہوئی بعض کتابیں اب بھی موجود ہیں۔ آپنے ۲ شوال ۱۲۷۲ھ میں وفات پائی اور اپنے مکان کے روبرو یعنے حضرت مشکل آسان کے گنبد سے ملحق جانب غرب مدفون ہوئے۔

حضرت سید شاہ محمد سے محمد اکبر برادر محتسب قندھار کی صاحبزادی منسوب تھیں جن سے ایک فرزند مولانا شاہ بدیع الدین اور تین صاحبزادیاں (۱۔ زوجہ سید و میاں جاگیر دار سائگاؤں ۲۔ زوجہ محمد جلال الدین خطیب ہٹہ ۳۔ زوجہ محمد سالار غیور برادر محتسب قندھار) پیدا ہوئیں۔ موخر الذکر کی ایک صاحبزادی (زوجہ محمد فیاض الدین فیاض برادر خطیب مومن آباد) اور تین صاحبزادے محمد امین الدین ثانی، محمد قمر الدین اور منشی محمد امیر حمزہ تھے۔ اس طرح حضرت سید محمد کی آل میں حضرت فیاض کے فرزند محمد عبدالوہاب صاحب عندلیب اور نواسے محمد عبدالرحمٰن صاحب کوکب

عبدالعلیم صاحب، عبدالحکیم صاحب اور حسام الدین صاحب حاکم وغیرہ اور محمد امیر حمزہ صاحب کے فرزندان عبدالرحیم صاحب نوری (محتسب قندھار) اور عبدالعظیم صاحب قلندر اور محمد امین الدین ثانی محتسب قندھار کے نواسے اختصاص الدین صاحب و انتصار الدین صاحب انجینر موجود ہیں۔

مولانا سید شاہ بدیع الدین رفاعی

حضرت سید شاہ محمد کے فرزند بڑے عالم و فاضل بافیض اور صاحب باطن بزرگ تھے ۱۲۲۹ھ میں پیدا ہوئے۔ آپکی نسبت کتاب روضۂ شہید (مطبوعہ ۱۳۲۷ھ) میں لکھا ہے کہ :- "وہ ایک مقدس اور صاحبدل بزرگ تھے۔ آبائی معاش اور نہری زمین کی آمدنی آپکا ذریعہ معاش تھا۔ آپکے معتقدین و مریدین بہت تھے چنانچہ سید شاہ برہان اللہ حسینی صاحب موجودہ سجادہ نشین روضہ حضرت سانگڑے سلطانؒ کے والد بزرگوار جناب سید شاہ رحمت اللہ حسینی صاحب نے ۱۲۷۸ھ میں بعد وفات سید شاہ حیدر صاحب سجادہ نشین آپ ہی سے خرقہ خلافت و اجازت حاصل کی ہے۔ آپکے پاس سلسلہ بیعت کے علاوہ بنظر فیض عام سلسلہ تدریس بھی جاری تھا" (صفحہ ۲۲)

روضۂ حضرت مشکل آسانؒ کی سجادگی کیلئے یہ طریقہ چلا آیا ہے کہ کوئی سجادہ مستند نہیں سمجھا جا سکتا جب تک اسکو گذشتہ سجادہ صاحب سے خلافت یا اجازت حاصل نہوی ہو، یا اسی خاندان کے کوئی اور مسلم اور مستند بزرگ اپنے خاندانی سلسلہ کی خلافت اور سجادگی کی اجازت نہ دیں۔ یہی وجہ تھی کہ سید شاہ رحمت اللہ حسینی صاحب نے مولانا سید شاہ بدیع الدین رفاعی سے اجازت و خلافت حاصل کی۔ ان سے قبل کے سجادہ سید شاہ حیدر صاحب نے لاولد انتقال کیا انکے قریبی سلسلہ یعنے اولاد سید شاہ برہان میں سید رحمت اللہ حسینی ہی اسکے مستحق تھے

لیکن انہوں نے اپنے والد سے بھی خلافت حاصل نہیں کی تھی کیونکہ وہ آٹھ سال قبل یعنے ۱۲۷۰ھ میں انتقال کر چکے تھے اور انہیں خیال بھی نہ تھا کہ سجادگی کیلئے وہی منتخب ہونگے اسلئے اپنے خاندان کے سب سے زیادہ محترم بزرگ شاہ بدیع الدین رفاعی سے اجازت اور خلافت حاصل کرکے سجادہ نشین ہوے۔

مریدین و معتقدین کے علاوہ مولانا شاہ بدیع الدین کے تلامذہ کی تعداد بھی نہایت کثیر تھی قندھار کے اکثر طالبان علم اور اہل ذوق نے آپ سے استفادہ کیا ہے چنانچہ مولوی انوار اللہ خاں بہادر فضیلت جنگ استاد حضرت غفران مکان اعلیحضرت سلطان العلوم نے بھی قران مجید کے ابتدائی پانچ پارے آپ ہی کے یہاں ختم کئے جس کا وہ اکثر تذکرہ کیا کرتے تھے۔

آخر زمانہ میں شاہ صاحب اپنے فرزند صاحب عالم سید شاہ عنایت اللہ حسینی شہید کے یہاں حیدرآباد چلے آئے تھے اور اپنی عمر کے آخری پندرہ سال یہیں گذارے اسلئے حیدرآباد میں بھی آپکے اہل برادری یعنے خاندان اہل خدمات شرعیہ کے اکثر طلبہ آپ سے مستفید ہوتے رہے اسی کثرت مطالعہ اور تعلیم و تعلم کی بنا پر آپکی ایک آنکھ ناقص ہوگئی تھی آخر کار اسّی سال کی عمر میں بعارضہ بخار و پیچش بتاریخ ۵ محرم ۱۳۰۹ھ آپکا وصال ہوا۔ بیرون حیدرآباد بیگم بازار کے قریب محی الدین صاحب کے تکیہ میں مدفون ہوے۔ محمد قطب الدین صاحب خطیب قندھار نے "داغ شد" آپکی وفات کا مادہ تاریخ نکالا تھا۔

قصبہ ہتہ کے مشہور اور ذی اثر قاضی محمد تاج الدین کی صاحبزادی جو

محمد جلال الدین خطیب قندھار کی نواسی اور حاجی غلام حسین محتسب پالم کی پرنواسی تھیں، مولانا شاہ بدیع الدین سے منسوب تھیں انکے دو فرزند اور ایک صاحبزادی تھیں۔ موخر الذکر محمد امین الدین صاحب برادر محتسب قندھار سے بیاہی گئیں۔ ان کی ایک دختر یعنے مولانا شاہ بدیع الدین کی نواسی محمد آصف الدین صاحب قاضی پانگاؤں سے منسوب ہوئیں۔ (قاضی صاحب موصوف مولف کتاب ہذا کے چچا تھے) انکے فرزند قاضی فصیح الدین صاحب انگر اس وقت موجود ہیں۔ مولانا شاہ بدیع الدین رفاعی کی حقیقی خالہ عبد الصمد صاحب قاضی پالم سے بیاہی گئی تھیں ان کے فرزند محمد منیر الدین قاضی پرھنی تھے جنکی اولاد میں منشی صدیق احمد فہیم مرحوم اور قاضی منیر الدین صاحب اور آل میں محمد عبد الولی صاحب (عرف چینو پاشاہ) قاضی زین العابدین صاحب (سیوبلین) اور قاضی معین الدین حسین صاحب (تحصیلدار) شامل ہیں۔ ان سب حضرات کا تذکرہ اس کتاب کے ضمیمہ میں شامل ہے۔

شاہ صاحب کے بڑے فرزند صاحب عالم سید شاہ عنایت اللہ حسینی کا تذکرہ بعد میں آئیگا

سید شاہ ہدایت اللہ حسینی اور انکی اولاد | آپ شاہ صاحب کے چھوٹے فرزند ہیں ابتک اپنے آبائی وطن قندھار شریف میں سکونت پذیر ہیں۔ آپ ایک اہل اللہ اور نہایت مقدس بزرگ ہیں اور توکل و استغنا میں اپنے والد محترم کے قدم بقدم ہیں۔ آپکی زوجہ امیر الدین خطیب ہٹہ کی دختر ہیں جن سے ایک فرزند اور ایک دختر موجود ہے موخر الذکر اصغر الدین مرحوم برادر قاضی پالگاؤں سے منسوب ہوئیں جنکے بطن سے ایک لڑکا وجیہ الدین اور تین لڑکیاں ہیں (۱۔ زوجہ غیاث الدین برادر قاضی بردہ پور ۲۔ زوجہ سعید الدین انعامدار نانڈیڑ ۳۔ زوجہ غوث محی الدین برادر قاضی پانور



حضرت سید شاہ ھدایت اللہ حسینی صاحب
اولاد حضرت سانگڑے سلطان

شاہ صاحب کے فرزند سید قدرت اللہ حسینی صاحب بھی قندھار ہی میں اپنے والد ماجد کے ساتھ مقیم ہیں ان سے بادشاہ محی الدین صاحب برادر قاضی یاتور کی دختر منسوب ہیں جن سے ایک لڑکا انوار اللہ حسینی موجود ہے۔

صاحب عالم حاجی سید شاہ عنایت اللہ حسینی شہید

قندھار شریف میں ۱۲۷۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپکے سوانح حیات منشی محمد امیر حمزہ مرحوم نے آپکی وفات کے بعد ۱۳۲۷ھ میں ایک کتاب "روضۂ شہید" (۴۴ صفحات بڑی تقطیع) میں شائع کئے تھے چونکہ آپ نے طغیانی رود موسیٰ میں یکم رمضان ۱۳۲۶ھ کو دریا برد ہوکر وصال پایا اسلئے روضۂ شہید میں پہلے طغیانیوں کا حال مندرج ہے پھر آپکے خاندانی حالات، تعلیم، سفر حیدرآباد ملازمت، زمانہ عروج، مختلف مقامات کی سیر و سیاحت اور خاندان مشائخی کے پر زور اثر وغیرہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے ہم یہاں ان امور سے متعلق روضۂ شہید ہی سے نہایت مختصر معلومات ماخوذ کرکے درج کریں گے۔

آپ نے اپنے والد ماجد کے علاوہ دیگر علمائے قندھار مثلاً حاجی حافظ مولوی محمد قطب الدین خطیب اور مولوی محمد سالار عیور برادر محتسب قندھار سے درسی کتابیں پڑھیں۔ اور اسی علمی شوق کی تکمیل کے لئے پہلے موسیٰ آباد اور پھر ۱۲۸۸ھ میں حیدرآباد کا سفر کیا یہاں آپ نے محمد فیاض الدین صاحب برادر خطیب قندھار کے یہاں (مغلپورہ میں مسجد ساجدہ بیگم کے قریب) قیام پذیر ہوکر مولوی عبدالکریم صاحب سے سلسلۂ تعلیم جاری رکھا چونکہ خطاطی اور خوشنویسی سے خاص ذوق تھا نماز عشا کے بعد جو بیٹھتے تو صبح کی اذان تک اسی میں محو رہتے۔

ابھی تعلیم کا شوق باقی تھا کہ محمد صدرالدین صاحب محتسب پالم و سررشتہ دار دفتر دارالانشا کی خواہش پر انکے محکمہ میں مامور ہو گئے۔ آپکی مروت و اخلاق اور خوش سلیقگی کی وجہ سے برادری کے اکثر انعامدار و جاگیردار اصحاب اپنے مقدمات کی پیروی کیلئے آپکے پاس آکر ٹہرتے اور آپکے مشوروں اور سعی و امداد سے اہل معاملہ کو اکثر کامیابی ہوتی۔ آپ رفتہ رفتہ متمول اور صاحب ثروت ہوتے گئے۔ چنانچہ چار محل کے گذہ پر دو منزلہ عالیشان مکان بنوایا اور اسی قرب و نواح میں متعدد مکانات خرید کیئے۔ اس اثنا میں اپنے آبائی معاش کی طرف بھی توجہ کی۔ موضع سوپا تعلقہ پالم کا نصف حصہ روضۂ حضرت شکل آسانؒ کے تحت جاگیر ہے جسمیں حضرتؒ کی اولاد ہونے کی حیثیت سے حضرت صاحب عالم کا موروثی حصہ تھا لیکن آپکے بزرگ اہل اللہ اور قناعت پسند گوشہ نشین تھے اور حصول حصۂ جاگیر کی جانب توجہ نہیں کرتے تھے حصہ دار اشخاص جو کچھ دیتے اُسی پر قناعت کرتے آپ نے عدالت سے اپنے حصہ کے سال لسال پابندی کیساتھ وصول ہوتے رہنے کا فیصلہ کرایا۔ اسی طرح روضۂ حضرت شکل آسانؒ کی پنج وقتہ نوبت پھر جاری کرائی کیونکہ وہ حصہ داروں کے مناقشہ کی وجہ سے بند کر دی گئی تھی۔ رفاہ عام کے کاموں سے آپکو خاص دلچسپی تھی۔

آپ نہایت منکسر المزاج اور خدا ترس تھے۔ تعلیم کے خاص طور پر حامی تھے اور مدرسہ نظامیہ کی خفیہ امداد کے علاوہ اسکے بانی مولوی محمد امیرالدین پونیری کو قرض حسنہ سے بروقت امداد فرماتے اور مدرسہ کی ترقی و فلاح و بہبود میں ہمیشہ اور ہمہ تن سرگرم رہتے۔

اپنے والد کے انتقال پر آپ نے وطن کا سفر کیا اور وہاں عرصہ تک اپنے اجداد امجاد

یعنی حضرت مشکل آسانؒ اور حضرت سید احمد منجھلے چلہ دارؒ کے گنبدوں میں معتکف رہے تو آپکے خیالات دنیاوی معاملات سے ہٹ گئے اور اس کسب و ریاضت کی جانب رجوع ہوئے جو سلسلہ بسلسلہ آپکے خاندان میں چلی آئی تھی۔ اپنے والد ماجد سے آپکو جو نعمت باطنی ملی تھی اسکو سلوک سے ترقی دینے میں مصروف ہو گئے ان سے آپکو مختلف سلسلوں مثلاً طریقہ علیہ نقشبندیہ، قادریہ، رفاعیہ، چشتیہ، وغیرہ میں بیعت و خلافت و اجازت حاصل تھی لیکن آپ زیادہ تر رفاعیہ و قادریہ میں دلچسپی لیا کرتے تھے۔ اکثر وقت ذکر و وظائف میں گذرتا تھا۔ چونکہ درویشوں اور مجذوبوں کی خدمت میں حاضر رہتے تھے بعض وقت آپ میں بھی مجذوبیت کی شان اور جوش پیدا ہو جاتا تھا جسکے متعلق کتاب روضۂ شہید میں بعض دلچسپ واقعات مندرج ہیں

اسی کسب ریاضت اور شغل و ذکر کے باعث ۱۳۱۹ھ میں اکیس سال نیک نامی و نیک نیتی سے خدمت انجام دیتے رہنے کے بعد وظیفہ لے لیا اور حج بیت اللہ کو روانہ ہوئے۔ اس سفر کے بعض واقعات بھی غیر معمولی اور دلچسپ ہیں جنکا تذکرہ روضۂ شہید میں موجود ہے آپ بلدہ حیدرآباد میں چوک کی مسجد میں ظہر کی نماز سے نماز مغرب تک تشریف رکھکر اوراد و وظائف میں مشغول رہتے اور اس زمانہ میں حضرت شاہ الٰہی بخش چشتی بھی وہیں مقیم تھے اسلئے آپ انکی محفل میں شریک ہوا کرتے اور آخر کار انکے ہاتھ پر طریقہ چشتیہ میں تجدید بیعت کی پھر انکے ساتھ بعض مقدس مقامات کا سفر کیا۔ اجمیر شریف میں عرصہ تک رہے اور خلد آباد و اورنگ آباد میں دو مہینے تک بزرگان دین کی زیارت کی دہلی و آگرہ اور دیگر مشہور مقامات اور درگاہوں کی سیاحت و زیارت کے بعد واپس ہوئے۔ آخر کار ۱۳۲۶ھ کی محشر آفریں

طغیانی رود موسیٰ میں اپنے خاندان اور اہل وعیال کے ساتھ نذر سیلاب ہوگئے۔ صرف ایک فرزند (مولوی حافظ سید غلام محمد شاہ صاحب قادری واعظ) اور ایک دختر (زوجہ سید اعظم اللہ حسینی صاحب اؔطہر جاگیر دار سرن پلی (تحصیلدار کورٹ آف وارڈس) بچ رہیں کیونکہ یہ دونوں اسوقت پربھنی گئے ہوئے تھے۔

صاحب عالم شہید کی حقیقی نانی (دختر جلال الدین خطیب قندھار) کے بھائی محمد معین الدین کی اولاد میں محمد حبیب الدین صاحب صغیرؔ قادر محی الدین صاحب باطن اور معین الدین صاحب اور حقیقی ماموں عبدالواحد محتسب پالم کی اولاد میں محمد عبدالمعز معتز مرحوم اور محمد افضل الدین صاحب فاروقی (بیرسٹر) شامل ہیں۔

حضرت صاحب عالم کی پہلی بیوی غلام جیلانی قاضی جیتور کی صاحبزادی اور محمد نعمت اللہ قاضی رنجنی کی نواسی تھیں۔ انہی کی اولاد اسوقت موجود ہے۔ دوسری بیوی رحیم الدین برادر خطیب قندھار کی دختر تھیں مگر ان کی اولاد صاحب عالم شہید کے ساتھ رود موسیٰ کی طغیانی میں نذر سیلاب ہوگئی۔

آپ کی صاحبزادی (زوجہ سید اعظم اللہ حسینی صاحب اؔطہر) کے بطن سے صرف دو لڑکیاں ہوئیں۔ ایک احتشام الدین صاحب انصاری انعامدار بالکنڈہ حال پٹیکار تعلقہ بلولی سے منسوب ہوئیں اور دوسری غلام محی الدین صاحب انعامدار احمد پور سے۔ اول الذکر سے ایک لڑکا ترسیص الدین اور ایک دختر (زوجہ سید کریم الدین انعامدار بھینسہ) اور موخر الذکر سے دو دختران موجود ہیں۔



مولوی حافظ قاری سید غلام محمد شاه صاحب قادری واعظ زعیم
اولاد مشکل آسان

قاری حافظ سید غلام محمد شاہ قادری واعظ

آپ حضرت صاحب عالم شہید کے اکلوتے فرزند ہیں۔ ۵ محرم ۱۲۹۵ھ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم مدرسہ نظامیہ میں پائی۔ اور بعض علماء مثلاً مولانا عبدالوہاب محدث نقشبندی اور عبدالکریم افغانی وغیرہ سے حدیث وفقہ کی تکمیل کی عنفوان شباب میں شعر وسخن اور تصنیف وتالیف خاصکر ڈرامہ نگاری سے خاص شغف تھا۔ رفتہ رفتہ خاندان مشائخی کا اثر نمایاں ہوتا گیا اور قرآن شریف حفظ کرنے کے بعد سے تو دنیا داری قطعاً ترک کردی ملازمت وغیرہ چھوڑکر رشد وہدایت میں مصروف ہوگئے۔ اپنے جد امجد حضرت سانگڑے سلطان مشکل آسانؒ کی طرح تبلیغ و ہدایت کی خاطر ہندوستان کے اکثر حصص کا دورہ کیا اور ہر حصۂ ملک میں جوق درجوق مسلمان آپکے مرید ہوئے۔ اسوقت ہزاروں کی تعداد میں آپکے مرید موجود ہیں۔ صوبجات مدراس بمبئی وبنگالہ میں آپنے بارہا تبلیغی دورے کئے اور ہر دفعہ مہینوں قیام کرکے خلق اللہ کو احکام قرآن پاک کی پابندی کی تلقین کرتے رہے ہیں۔

آپ نے خود اپنے ساٹھ سالہ سوانح حیات صاف وشستہ اردو میں نہایت خوبی کے ساتھ تین مبسوط جلدوں میں مرتب کئے ہیں۔ یہ نہایت مفید اور پرازمعلومات کتاب ہے اور شایع ہوجائے تو ہندوستان کے مختلف شہروں اور دیہات کے مسلمانوں کی معاشی وتمدنی حالت کا ایک بہترین جائزہ ثابت ہوگی۔ اس میں سے دو تین جگہ کی عبارتیں ذیل میں نقل کیجاتی ہیں جنکے مطالعہ سے یہ بھی ظاہر ہوگا کہ آپ میں انشاپردازی اور تصنیف وتالیف کی خداداد قوت موجود ہے۔ افسوس ہیکہ آپنے خاندانی پیشہ، رشد وہدایت

کی خاطر تصنیف و تالیف اور شعر و شاعری کو ترک کر دیا۔ آپکے عنفوان شباب کے تصنیف کردہ ڈرامے اسوقت دستیاب ہو سکے ورنہ ان کے نمونے بھی پیش کئے جاتے مذہبی رنگ پیدا ہونے کے بعد آپنے خود اپنی شاعری کا سب ذخیرہ اور دیگر تصانیف تلف کر ڈالے تھے۔ قدیم گلدستوں پیام یار اور گلدستہ فیض وغیرہ سے ہمیں آپکی چند غزلیں دستیاب ہوی ہیں جنکے بعض شعر بطور نمونہ یہاں نقل کئے جاتے ہیں

یا میرے گھر میں وعدہ فراموش آ کبھی ۔۔۔ یا اپنی بزم ناز میں مجھ کو بلا کبھی
ہوتا نہیں نوشتۂ قسمت کو انقلاب ۔۔۔ مٹتا نہیں لکھا ہوا تقدیر کا کبھی
ممنوں چارہ گر نہ ہوا درد شکر ہے ۔۔۔ اچھا ہوا کہ میں نہیں اچھا ہوا کبھی
ہم نے بھی زخم انکو سزا دی تھی ایکدن ۔۔۔ باندھے تھے ان کے ہاتھ لگا کر حنا کبھی
شیشۂ و جام دمے و نقل وچمن بے ساقی ۔۔۔ آپ ہی دیکھئے بیکار ہوے ہیں کہ نہیں
نوجواں یوں ہی دکھاتے ہیں طبیعت کا زور ۔۔۔ دیکھئے زخم کے اشعار ہوئے ہیں کہ نہیں

آپ ابتدا میں میر تراب علی زور سے اصلاح لیتے تھے اور آپکا تخلص زخم بھی انہی کا عطا کردہ ہے۔ بعد میں داغ دہلوی کو بھی چند غزلیں دکھائی تھیں کہ شعر و شاعری ہی کو خیر باد کہدیا لیکن اس اثنا میں آپ شاعر کی حیثیت سے اتنے مشہور ہو چکے تھے کہ اب تک اکثر اصحاب آپکے تخلص زخم ہی سے آپکو جانتے ہیں اور اصلی نام سے ناواقف ہیں۔ محی الدین محفوظ اور رضی الدین کیفی آپکے خاص احباب میں سے تھے

اب ہم آپکی عظیم الشان آپ بیتی سے چند اقتباسات یہاں درج کرتے ہیں

حیدرآباد کی آج سے چالیس سال قبل کی ناٹکوں اور ڈراموں کے سلسلہ میں آپ نے لکھا ہے کہ:۔

پہلی ناٹک بیگم بازار دال منڈی میں لچھما ساہو کی تھی۔ اسکا مکان پختہ ٹین کا تھا اور اسمیں ایک دن آڑ مختلف تماشے ہوا کرتے تھے۔ یہ ناٹک برسوں قایم رہی۔ اسمیں ناچنے گانے والے شہر کے مشہور طوائف مثلاً بھکن جی، حسو جی، ماتو جی وغیرہ تھے خصوصاً حسو جی طوائف کا ہر جمعرات کو اس ناٹک میں سحر کا قصیدہ دور دور تک مشہور ہو چکا تھا۔ اسکا خوش گلو آواز اور ستارنے کا ارت ایک عجیب سماں پیدا کرتا تھا۔ اسکو سننے کے لئے شہر کے اطراف واکناف (سنگاریڈی اور منچر و وغیرہ) سے ہر جمعرات کو شایقین جمع ہوا کرتے تھے۔ سحر کا قصیدہ شہید کی دہلوی کا لکھا ہوا تھا۔ اسکے آخر میں حضرت غفران مکاں کا نام اور انکی ریاست کیلئے دعا کا بھی اضافہ کر دیا گیا تھا۔ اس قصیدہ کی شہرت سنکر استاد داغ دہلوی جو نئے نئے حیدرآباد تشریف لائے تھے ایک رات دالمنڈی کی ناٹک میں آئے اور پہلی قطار میں تشریف رکھتے تھے۔ اس ناٹک میں ایک طوائف محبوب جی تھی وہ مرزا داغ کی غزلیں بھی گایا کرتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ استاد کو ستانے اور شرمندہ کرنے کے لئے انکے حاسدوں نے محبوب جی کو اشارہ کیا کہ وہ مشہور غزل گائے جسکا آخری مصرع ہے ع

جسے داغ کہتے ہیں ملے تو اسی روسیاہ کا نام ہے

جب محبوب جی نے داغ کا لفظ کہا تو استاد کی طرف اشارہ کرکے اسی روسیاہ کا نام ہے خاص انداز سے کہا اور ناظرین نے تالیاں بجا بجا کر دو چار مرتبہ پڑھوایا عجیب سماں تھا......

دوسری ناٹک دکن ڈرامٹک کلب۔ اسکا مالک پونہ کا باشندہ احمد حسین تھا۔

یہ ناٹک سالار جنگ کی ڈیوڑھی کے قریب جہاں اب یوسف بازار روبروے نظامت فوجداری بلسدہ واقع تھی۔ پہلے ٹٹیوں کا منڈوہ تھا بعد میں آگ لگنے کے اندیشہ سے ٹین کا بڑا مکان بنایا گیا تھا۔ مدتوں چلتی رہی۔ اسکے گانے اور ناچنے والے بھی شہر کی مشہور طوائف مثلاً انجنی جی۔ انور جی۔ راگھو جی وغیرہ تھیں۔ اس ناٹک میں اکثر ڈرامے منشی امیر حمزہ مرحوم کے کھیلے جاتے تھے جن میں بعض کے نام یہ ہیں ۱۔ سحر سامری ۲۔ آدھا نکاح ۳
۳۔ مصدر لطف ۴۔ شہزادہ احمق وغیرہ

میرا عنفوانِ شباب کا زمانہ تھا۔ شاعری بھی زوروں پر تھی۔ اس ناٹک میں پابندی سے جایا کرتا۔ کیوں کہ حضرت حمزہ کی وجہ سے ٹکٹ کے اخراجات سے آزادی ہو گئی تھی۔ مفت راچہ گفت۔ سحر سامری کے تماشہ نے شہر کو تباہ کر دیا تھا کئی برس یہ کھیل چالو تھا۔ تماشہ بینوں کی یہ کثرت تھی کہ تماشہ شروع ہونے کے دو گھنٹہ قبل سے ٹکٹ خانہ بند ہو جاتا تھا اور منڈوہ میں تل دھرنے کو جگہ نہ ہوتی تھی۔ اس کھیل میں سب سے زیادہ دلچسپ مسٹر عبدالعلی اور اسکی بیوی دراز بیگم کے حرکات تھے۔ حضرت حمزہ کہتے تھے کہ صرف سحر سامری کے تماشہ سے کمپنی کو پچاس ہزار روپیہ ملے تھے۔

تیسری ناٹک بال روم کی ترپ بازار میں انگریزی ناکہ کوتوالی کے عقب میں تھی جسکے مالک مہدی شاہ ایک ایرانی امیرزادہ تھے۔ اسکی بھی چند روز بڑی شہرت رہی۔ مالک نے اسپر ہزاروں روپیہ صرف کیا۔ مہدی شاہ خود نوجوان خوشرو، اور گانے بجانے کے شائق تھے۔ اپنی ناٹک میں خود بھی پارٹ ادا کرتے تھے۔ مجھ سے دوستی ہو گئی تھی میں نے انکی فرمائش و اصرار پر چند ڈرامے تیار کئے تھے جنکو وہ اپنی ناٹک میں کھیلا کرتے تھے۔



مولوی منشی وقارالدین صاحب خطیب بودهن

مجھے بھی معقول معاوضہ دیا تھا اور فسٹ کلاس کے تین ٹکٹ معاف تھے ۔ میں نے ایک دفعہ بالروم ناٹک میں منشی امیر حمزہ مرحوم کو تماشہ دیکھنے کی دعوت دی تھی وہ اور انکے برادر بزرگ محمد قمر الدین جو اسی زمانہ میں قندھار سے آئے تھے تماشہ میں شریک ہوئے تھے ۔ ان دونوں صاحبوں نے میری ایک دو غزلیں بھی اس تماشہ میں طوائف کی زبان سے سنی تھیں ۔ یہ ناٹک زیادہ دن تک نہیں چلی ۔ اسکی کوئی کمیٹی نہ تھی ۔ آخر مہدی شاہ قرضدار ہو گئے اور ڈگریداروں نے تمام ناٹک کا سامان ہراج کر دیا ۔ آخر کسی انگریز نے اس ناٹک کے بنگلہ کو خرید لیا اسکے سامنے سے ایک سڑک گنگ کوٹھی کو جاتی تھی ۔ یہ مقامی ناٹکوں کا تذکرہ تھا ...... " غرض اس ضخیم آپ بیتی میں اکثر واقعات نہایت مفید ہیں جنکے مطالعہ سے آنیوالی نسلوں کی معلومات میں اضافہ ہو گا خدا کرے کہ مصنف کی یہ کوشش زیور طبع سے آراستہ ہو سکے تاکہ اسکا فائدہ عام ہو مولف نے اسکو چار جلدوں میں تقسیم کیا ہے ۔ پہلی جلد میں ۱۲۹۵ھ سے ۱۳۲۷ھ تک کے حالات و واقعات فلسکیپ سائز کے ۱۰۶ صفحات میں درج کئے ہیں ۔ دوسری جلد میں ان تمینی سفروں اور سیر و سیاحت کا حال ۱۹۸ صفحات میں درج ہے جو ۱۳۲۷ھ سے ۱۳۳۹ھ تک کے درمیانی زمانہ میں کئے گئے ۔

تیسری جلد میں ۱۳۳۹ھ سے ۱۳۵۴ھ تک کے حالات سفر وغیرہ ۱۶۲ صفحات میں قلمبند کئے گئے ہیں ۔ چوتھی جلد ۱۳۵۴ھ کے بعد کے حالات پر مشتمل ہے یہ ابھی زیر تحریر ہے ۔ غرض مصنف نے اپنی زندگی کے مختلف ادوار اور سیاحت کے واقعات بڑی محنت اور سلیقہ سے منضبط کر دیے ہیں ۔ یہ کتاب اگر چھپ جائے تو اپنی نوعیت کی ایک ہی چیز ہو گی ۔

آپ سے منشی وقار الدین صاحب فاروقی خطیب بودھن کی دختر محمد نعمت اللہ صاحب

جاگیردار کی (جو حضرت فضیلت جنگ مولوی انوار اللہ خاں بہادر معین المہام امور مذہبی کے حقیقی ماموں تھے) کی نواسی منسوب ہیں جنکے بطن سے اسوقت دو فرزند اور دو لڑکیاں ہیں۔ چھوٹی دختر اور چھوٹے فرزند سید جلال الدین حسینی ابھی ناکتخدا ہیں۔ آپ کے بڑے فرزند ملک کے مشہور انشاپرداز ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور ہیں۔

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور آپ ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ پیدا ہوئے تعلیم کی ابتدا عربی و فارسی سے مدرسہ دار العلوم میں ہوئی۔ بڑی عمر میں سٹی کالج میں انگریزی شروع کرائی گئی ۱۹۲۵ء میں اکیس سال کی عمر میں بی۔ اے کامیاب ہوئے اور اپنے مضامین ادب فارسی و اردو میں اول آئے ۱۹۲۷ء میں عثمانیہ یونیورسٹی سے ام۔ اے کی ڈگری حاصل کی اور اس دفعہ بھی اردو میں اول آئے اس اثنا میں آپ نے تصنیف و تالیف بھی شروع کردی تھی اور بعض کتابیں شایع کی تھیں جن کا ذکر بعد میں کیا جائیگا۔ امتیازی کامیابیوں اور علمی دلچسپیوں کی بنا پر آپ کو اعلیٰ تعلیم کے لئے سرکاری وظیفہ عطا ہوا اور اگسٹ ۱۹۲۷ء ہی میں آپ یورپ روانہ ہوئے وہاں آپ نے آریائی زبانوں کی لسانی تحقیقات کی جسمیں خاصکر اردو زبان پر کام کیا اسی سلسلہ میں ۱۹۲۸ء میں لندن یونورسٹی سے پی' ایچ' ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اردو کے آغاز و ارتقا پر ایک مقالہ لکھا۔ آریائی لسانیات کی تحقیقات کے سلسلے میں ابتدائی سنسکرت اور لسانیات کی تعلیم پروفیسر آر' ایل' ٹرنر سے صوتیات کی تعلیم پروفیسر اے' لائیڈ جیمس سے "اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز لندن" میں پائی۔



ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زور پروفسر جامعہ عثمانیہ

عام فن صوتیات اور انگریزی صوتیات کی تحصیل کیلئے یونیورسٹی کالج میں پروفیسر ڈینیل جونس اور مس لی لیاسن، ای، آرمسٹرانگ کے شاگرد رہے۔

۱۹۳۰ء میں تجرباتی صوتیات کا تحقیقاتی کام "لے انستی بتوت دی فونیٹک" میں ختم کیا جو "ہندوستانی صوتیات" کے نام سے شایع کیا گیا۔

اسی زمانہ میں ہند آریائی لسانیات اور خاص کر ہندی اور جیسی زبانوں کے درس "سوربون یونیورسٹی پیرس" میں حاصل کئے "ہندوستانی کی گجراتی شاخ" پر ایک مقالہ پروفیسر ڈاکٹر جے بلوک کے زیر نگرانی لکھا جس کے اجزا "ژورنل ایشیاٹک" پیرس میں شایع ہوئے ہیں۔

۱۹۳۱ء میں آپ یورپ سے واپس تشریف لائے اور جامعہ عثمانیہ میں زبان اردو کے پروفیسر مقرر ہوگئے۔ آپ کی سب سے پہلی کتاب "روح تنقید" فن تنقید پر اردو دنیا میں سب سے پہلی کتاب تھی۔ جو ۱۹۲۵ء میں شایع ہوئی جب کہ مصنف نے بی۔ اے کا امتحان بھی نہیں دیا تھا۔ اسکے متعلق آپ کے استاد مولانا وحید الدین سلیم نے جو رائے دی تھی اسکے چند فقرے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

"...... اگرچہ وہ بظاہر چپ چاپ دکھائی دیتے ہیں مگر درحقیقت وہ اور انکا دماغ علمی خیالات میں ہر وقت مصروف ہے اردو خاص کر اردو کے ادب سے انکو خاص دلچسپی ہے ...... عجب نہیں کہ اگر انکی یہی مشغولیت اور دماغی مستعدی رہی تو وہ اردو انشاپردازوں کے دائرہ میں خاص طور سے

ممتاز خیال کئے جائیں۔ اور دکن کو انکی ذات پر ناز کرنے کا موقع۔
حاصل ہو۔

"روح تنقید کے بعد سے اب تک اور کئی کتابیں مختلف موضوعات پر تصنیف کی ہیں جن پر تبصرہ لکھنے کیلئے ایک علحدہ کتاب کی ضرورت ہوگی اسلئے یہاں موضوعوں کے تحت کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

تاریخ ادب | ۱۔اردو شہ پارے اسمیں اردو کے آغاز سے دلی اور نگ آبادی تک کے اردو ادب (نثر و نظم) کے متعلق جدید ترین تحقیقات پیش کیگئی ہے۔ اور ادبی کارناموں کے تفصیلی نمونے بھی دیئے گئے ہیں، جو یورپ اور ہندوستان کے متعدد کتب خانوں کے کم یاب قلمی نسخوں سے منتخب کئے گئے تھے۔ قدیم شعرا اور قدر دانانِ سخن کی تصاویر نے اس کتاب کی زینت میں چار چاند لگا دیے ہیں۔

۲۔ اردو کے اسالیب بیان جس میں آغاز سے عہد حاضر تک کے اعلیٰ اور معیاری انشا پردازوں کی نثر اور اسکے اسلوب کی خصوصیات پر ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ موجودہ نثر نگاروں کے اسالیب پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے۔

۳۔ محمود غزنوی کی بزم ادب۔ یہ غزنیں کے فارسی شاعروں اور وہاں کی ادبی و علمی چہل پہل کا مبسوط تذکرہ ہے اور سلطان محمود کی ادبی سرپرستیوں اور اسکے دربار کے شعرا کے حالات اور کلام پر نہایت تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

تنقید | ۱۔ تنقیدی مقالات۔ روح تنقید کے اصولوں کی روشنی میں اردو کے

بہترین ادیبوں اور انکے کارناموں مثلاً میر تقی میر، میر حسن، میر انیس، سودا، غالب حالی، اقبال، سلیم وغیرہ پر ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے۔

۲۔ تین شاعر کے نام سے بھی ایک کتاب شایع ہوئی تھی۔

افسانے ۱۔ طلسم تقدیر۔ اور تازیانہ دو طویل دلچسپ اور نیم تاریخی افسانے ہیں۔ آپ کی جدید کتاب سیر گولکنڈہ ہے جس میں گولکنڈہ کی عظمت رفتہ کو یاد دلانے والے نوزہ نیم تاریخی افسانے نہایت دلچسپ پیرایہ میں لکھے گئے ہیں

لسانیات ۱۔ ہندوستانی لسانیات۔ اس کتاب میں اردو زبان کا لسانی تجزیہ و تشریح کی گئی ہے۔ اسکے دو حصے ہیں پہلے حصہ میں علم لسان کے مقاصد فوائد تاریخ اور زبان کی اہمیت ارتقا اور تشکیل سے متعلق عام اور اصولی معلومات، دنیا کی زبانوں کی تقسیم مختلف خاندان اور خاص کر ہندوستان کی زبان پر بحث کی گئی ہے۔

دوسرے حصے میں اردو کا آغاز اور اس کا ارتقا اور اس کی ہمہ گیری پر جدید ترین تحقیقات پیش کی گئی ہے۔ اور اردو ہندی کا تنازعہ اور اردو کے جدید رجحانات اور ضرورتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۲۔ ہندوستانی صوتیات۔ اس کتاب میں اردو زبان کا صوتی تجزیہ اور تشریح کی گئی ہے اور صوتیاتی آلوں اور گردونوں کے نتائج کو نقشوں اور تصاویر کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے یہ اردو ادب کے متعلق پہلی علمی اور فنی کتاب ہے۔

ادبی تحقیق اس موضوع سے متعلق ڈاکٹر صاحب موصوف نے کئی کتابیں مرتب کی ہیں

جن میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں :-

۱- گلزار ابراہیم (مطبوعہ انجمن ترقی اردو) ۲- گلزار سان دتاسی (مطبوعہ ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد) ۳- دیوان زادہ حاتم - ۴- متاع سخن - ۵- بادۂ سخن - ۶- کیف سخن اسکے علاوہ اور بھی متعدد کتابیں ہیں جو مختلف موضوعوں پر لکھی گئی ہیں مثلاً فن انشاپردازی "عہد عثمانی میں اردو کی ترقی" وغیرہ

ڈاکٹر صاحب موصوف کی تصنیف کا زمانہ ۱۹۲۵ء یعنے "روح تنقید" کی اشاعت سے جبکہ وہ خود ایک طالب علم تھے شروع ہوتا ہے اسکے بعد وہ اور پانچ سال تک طالب علم ہی رہے اور اب تک یعنے ۱۹۳۶ء تک گیارہ سال کے عرصے میں اتنی کثیر اور اہم کتابوں کا شایع کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو اردو ادب کی حقیقی خدمت کیلئے وقف کر دیا ہے صاحب موصوف کی مصروفیات یہی نہیں بلکہ آپ حیدرآباد کے مختلف علمی و ادبی اداروں میں کہیں صدر ہیں کہیں نائب صدر کہیں سرگرم رکن ہیں ہندوستان کے اردو ادبی جلسوں میں بھی آپ کی شرکت ضروری سمجھی جاتی ہے -

ڈاکٹر صاحب کے تفویض ایک اہم ادارہ "سلسلہ ادبیات اردو" ہے - جس کا نصب العین یہ ہے کہ جامعہ عثمانیہ کے طلبا سے ادبی خدمات لی جائیں اور انکی کتابوں اور کارناموں کو شایع کیا جائے - چنانچہ اسمیں بھی ڈاکٹر صاحب جس دلچسپی سے کام کرتے ہیں اس کے مطبوعات کی فہرست سے ظاہر ہوگا۔

یہ ادارہ نہ صرف جامعہ کے طلباء کی کتابوں کی اشاعت میں مصروف ہے بلکہ ان کو ادیب اور انشاپرداز بنانے میں نہایت کارگر اور موثر آلہ ثابت ہو رہا ہے

ایک ایسے علم دوست مشفق استاد کے اعلیٰ کردار کے متعلق کچھ تحریر کرنا جس نے اپنے ہر طالب علم کو ادبی اور درسی امور میں مشورہ دینے سے گریز نہیں کیا ایک مہمل سی بات معلوم ہوتی ہے جس ہستی نے اپنی زندگی کا نصب العین یہ بنا لیا ہو کہ اس کے شاگرد ترقی پائیں پھلیں پھولیں اس کے بلند پایہ اخلاق و عادات اور آثار سے متعلق کیا لکھا جا سکتا ہے۔

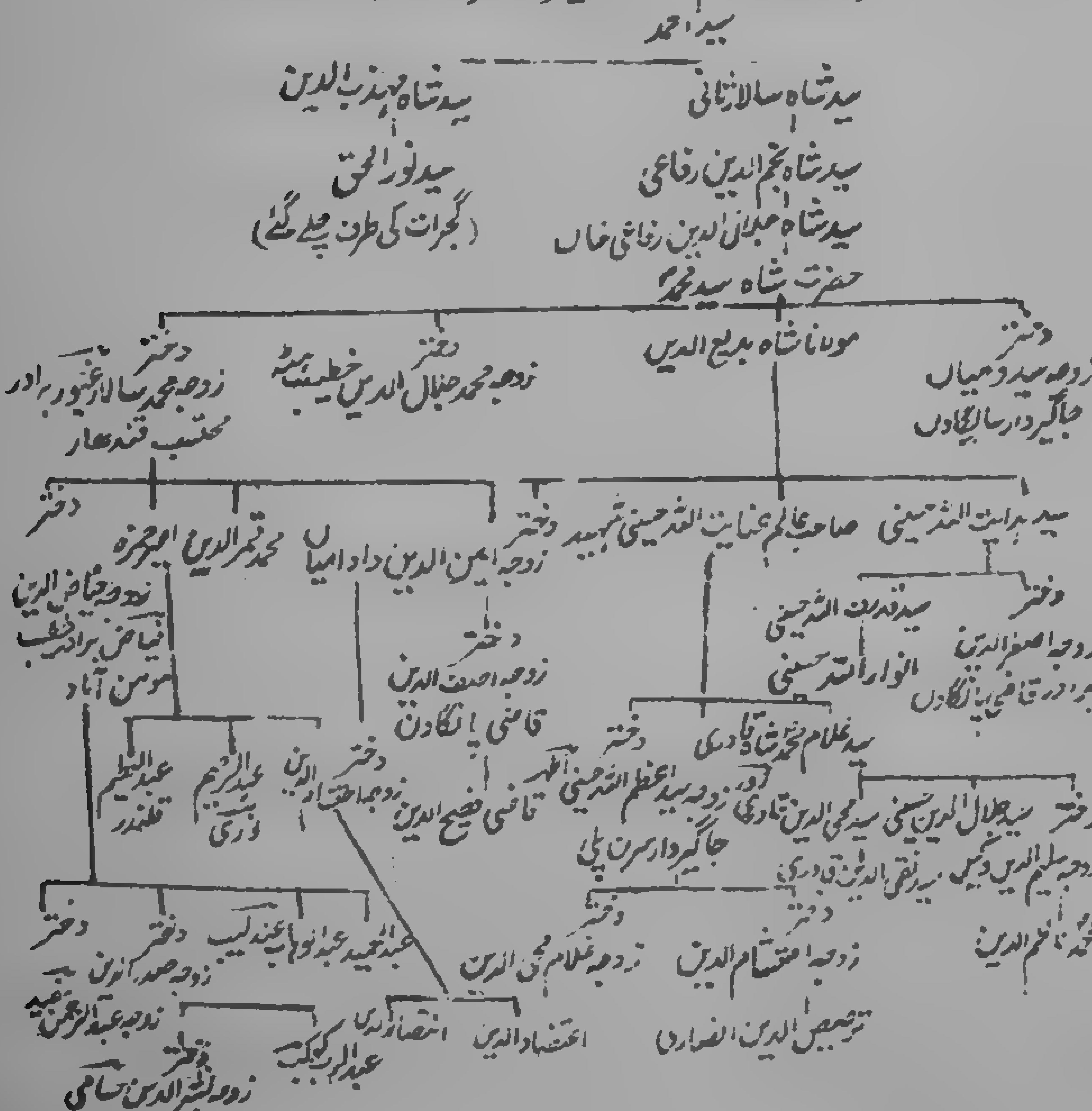
اگر ڈاکٹر صاحب کی مصروفیتوں اور علمی و ادبی دلچسپیوں کے متعلق تفصیل سے لکھا جائے تو ایک جداگانہ کتاب تیار ہو سکتی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ قندھار نے اور کئی بزرگ ہستیاں ایسی پیدا کی ہیں جن پر مستقل کتابیں لکھی جا سکتی ہیں مثلاً مولانا شاہ رفیع الدین قدس سرہ شاہ برہان اللہ حسینی صاحب سروری مولانا شاہ بدیع الدین رفاعی مولانا انوار اللہ نواب فضیلت جنگ رحمتہ اللہ علیہ مولوی منشی محمد امیر حمزہ مرحوم وغیرہ

ہم دیکھ رہے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کے استاد مولانا وحید الدین سلیم مرحوم پانی پتی کی وہ پیشین گوئی جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے لفظ بلفظ صحیح ہو رہی ہے اور آج آپ کی ہستی بالعموم اردو ادب اور خاصکر دکن کیلئے قابل فخر و باعث ناز ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے نانا منشی وقار الدین صاحب خطیب بودھن ایک روشن خیال اہل قلم اور محمد محسن صاحب محسن کے فرزند تھے جو اپنے زمانہ کے مشہور شاعر اور صاحب اثر بزرگ تھے

آپکی نانی صاحبہ (دختر نعمت اللہ حسینی صاحب جاگیردار کلگی) مولوی انوار اللہ خانصاحب فضیلت جنگ کی حقیقی ماموں زاد ہمشیر اور قاضی عبدالسلام صاحب انعام دار بھینسہ کی نواسی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب سے نواب رفعت یار جنگ بہادر سابق صوبہ دار اورنگ آباد کی دختر اور مولانا ظہور حسین مرحوم انصاری فرنگی محلی (جو حضرت مولانا عبدالباری صاحب مرحوم فرنگی محلی کے حقیقی ماموں تھے) کی نواسی منسوب ہیں جن سے ایک فرزند سید تقی الدین قادری اور ایک دختر موجود ہیں۔

شجرہ اولاد سید شاہ سالار نبیرہ حضرت مشکل آساںؒ



چوتھی فصل

حضرت مولانا شاہ رفیع الدّین قندھاری قدس سرہٗ

(اور اُن کی اولاد)

آپ کا سلسلہ نسب چھتیس ۳۶ واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ سے ملتا ہے۔ آپکے جد اعلیٰ تین سو سال قبل دکن آئے تھے اور اسوقت سے ابتک ان کی اولاد اس سرزمین میں خدمات جلیلہ سے ممتاز ہے۔

شیخ احمد قاضی احمد نگر مولانا صاحب کے جد امجد تھے آپکو حضرت خلیفۂ دوم سے ستائیسواں واسطہ ہے بڑے عالم، فاضل اور دولتمند وصاحب ثروت بزرگ تھے۔ انکی دو بیبیاں تھیں۔ ۱۔ دختر میر مراد علی خاں صدر ۲۔ دختر عبدالرحمٰن قاضی پاتور۔ موخر الذکر سے جو اولاد ہوئی انہیں قضاءت پاتور اتبک موجود ہے۔ اول الذکر کے بطن سے قاضی محمود پیدا ہوئے جنکے فرزند قاضی کبیر اور نبیرہ قاضی محمود تھے۔ انکے چار فرزند تھے۔ ۱۔ محمد یوسف قاضی پاتھری جنکی اولاد قضاءت پاتھری پر اب تک فائز ہے ۲۔ عبدالرحمٰن جو قندھار شریف وعثمان نگر کے قاضی تھے۔ قاضیان وخطیبان عثمان نگر (سارٹ باڑ) اور محتسبان قندھار انہی کی اولاد میں ہیں اور انکا تفصیلی ذکر اس کتاب کی آخری فصل میں آئے گا۔ ۳۔ قاضی محمد جو دھارور اور رنجنی کے قاضی تھے۔ ۴۔ قاضی کبیر ثانی جو بسمت نگر کے قاضی تھے۔

قاضی کبیر ثانی قاضی بسمت نگر کے دو فرزند تھے۔ ایک قاضی محمود ثالث دوسرے قاضی تاج

اول الذکر کے تین فرزند تھے۔ ۱۔ غلام مصطفیٰ قاضی اونڈہ ۱۔ قاضی علی قاضی کلمنوری، واڑونہ جٹھہ
۳۔ قاضی کبیر ثالث قاضی احینڈہ و محتسب بسمت نگر

قاضی تاج | بڑے عالم وفاضل تھے اور لیاقت واہلیت کی وجہ سے انکو کئی خدمات شرعیہ حاصل تھیں۔ انکے تین فرزند تھے۔ ۱۔ قاضی ابراہیم جو بسمت نگر اور ہٹہ ضلع پربھنی کے قاضی تھے۔ انکی اولاد کا سلسلہ اب تک موجود ہے جنمیں بعض بسمت اور ہٹہ کے قاضی اور بعض حصہ دار معاش قضاۃ ہیں۔ ۲۔ قاضی عبدالملک جنکا تذکرہ بعد میں آئے گا۔ ۳۔ قاضی حسن جو اونڈہ کے خطیب تھے۔

قاضی عبدالملک | آپ خطیب بسمت اور قاضی و محتسب قصبہ بھوکر ضلع ناندیڑ تھے۔ بڑے عالم وفاضل اور صاحبدل بزرگ تھے۔ اہل دل ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ اپنے کشف کے ذریعہ سے اپنے چاروں فرزندوں اور انکی نسل کی خصوصیات کے متعلق جدا جدا پیشین گوئیاں کی تھیں جو کہا جاتا ہے کہ ہر ایک کے حق میں بالکل صحیح ثابت ہوئیں۔ ان چاروں کی اولاد موجود ہے اور مذہبی خدمات کے علاوہ علمی وادبی دلچسپیوں اور ملک ومالک کی خدمات گذاری میں منہمک رہی ہے انکے ایک فرزند محمد تاج الدین ثانی تھے جن کی اطلاد میں قندھار شریف کے قاضی وخطیب دونوں کے خانداں شامل ہیں اور خود مولانا شاہ رفیع الدین انہی کے پوترے تھے۔ قاضی تاج کے دوسرے تین بھائیوں (قاضی سلیمان، نصیرالدین خطیب بسمت اور نجم الدین محتسب پالم) اور انکی اولاد کا اجمالی تذکرہ اس کتاب کے آخر میں بطور ضمیمہ شریک ہے۔

شجرۂ

اجدادِ مولانا شاہ رفیع الدین و قاضیان و خطیبان و محتبان قندھار و پالم و بسمت نگر و دھارور وغیرہ

شیخ احمد ۱ قاضی احمد نگر - ۲ قاضی محمود - ۳ قاضی کبیر - ۴ قاضی محمود ثانی

- قاضی یوسف قاضی پاتھری — قاضیان پاتھری انہی کی اولاد میں ہیں۔
- قاضی عبدالرحمن قاضی قندھار — وعثمان نگر محتبان قندھار قاضیان وخطیبان عثمان نگر انہی کی اولاد میں ہیں۔
- قاضی کبیر قاضی بسمت نگر
  - قاضی محمود ثالث قاضی بسمت
    - قاضی غلام مصطفیٰ قاضی اونڈہ
    - قاضی علی قاضی لکھنوری داڑونہ وہٹہ
    - قاضی کبیر ثالث قاضی اجنٹہ و محتسب بسمت نگر
  - قاضی تاج قاضی قندھار
    - قاضی ابراہیم قاضی بسمت نگر وہٹہ
    - قاضی عبدالملک قاضی و محتسب بھوکر خطیب بسمت نگر
      - تاج الدین
        - سراج الدین
          - برہان الدین
            - مولوی انوار اللہ فضیلت جنگ
          - جلال الدین
            - حبیب الدین صغیر
        - شمس الدین
          - مولانا شاہ رفیع الدین
      - قاضی سلیمان قاضی پالم
        - عبدالملک ثانی
          - عبدالصمد
            - مسیح الدین
              - قاضی شریف الدین
              - قاضی بدیع الدین
            - منیر الدین
              - وحید الدین
              - صدیق احمد نعیم
              - دختر زوجہ علاء الدین اودگیری
      - نصیر الدین خطیب بسمت نگر
      - نجم الدین محتسب پالم
    - قاضی حسن خطیب اونڈہ
- قاضی محمد قاضی دھارور رنجنی

قاضی محمد تاج الدین آپ (قندھار شریف کے قاضی اور خطیب) تھے اور آپ کو سلطنت دہلی سے قاضی القضاۃ لشکر فیروزی کا خطاب ملا تھا۔ بہت صاحب اثر تھے اور قضاۃ واحتساب بالالم۔ خطابت بسمت نگرا اور قضاۃ بھوکر دنرسی اور جاگیر دھانورہ وغیرہ آپ ہی کے تفویض تھی۔ چنانچہ آپ کے فرزند یعنی مولانا شاہ رفیع الدین کے والد شمس الدین کے حصہ میں قصبہ بھوکر کی قضاۃ اور دھانورہ جاگیر آئی تھی۔ قاضی تاج الدین کے دوسرے فرزند سراج الدین تھے جنکی اولاد میں مولوی انوار اللہ خاں فضیلت جنگ قاضی قندھار اور مولوی حبیب الدین صغیر خطیب قندھار ہیں انکا تذکرہ آئندہ فصلوں میں مندرج رہیگا۔

اگرچہ قاضی تاج الدین دھانورہ کے جاگیردار تھے لیکن قندھار علماء و فضلا کا مخزن تھا اس لئے انھوں نے اسی کو اپنے قیام کے لئے پسند کیا اور محلہ تہائی پورہ میں قاضی محلہ کی روبرو ایک عالیشان مکان تعمیر کرا کے اپنے کنبہ کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے۔ انکے فرزند محمد شمس الدین طریقہ رفاعیہ کے پیرو اور حضرت سرور مخدوم کے معتقد تھے۔

شاہ رفیع الدین کے حالات زندگی آپ پنجشنبہ کے دن علی الصباح ۱۹ رجادی الثانی ۱۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے آپ نے خود اپنی پیدائش کے متعلق اپنی کتاب "ثمرات الملکیہ" میں اپنے والد کے دلچسپ خواب کا تذکرہ کیا ہے آپکے والد نے غلام قاضی عرف رفیع الدین نام رکھا آپ نہایت ذکی تھے اور بچپن ہی سے بزرگی کے آثار نمایاں تھے چودہ سال تک اپنے والد ماجد اور دیگر علمائے قندھار سے تعلیم پاتے رہنے کے بعد اورنگ آباد کا قصد کیا وہاں کچھ عرصہ تک مولانا قمر الدین سے عربی و فارسی میں استفادہ کیا پھر سورت کو روانہ ہوئے۔ جہاں پر

مشہور قاضی شیخ الاسلام خاں سے عربی کی تکمیل کی وہیں سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ میں بہت دنوں تک رہ کر قرأت اور حدیث کی سند حاصل کی۔

آپ نے اورنگ آباد میں شاہ عظیم الدین بلخی اور حضرت قمر الدین اورنگ آبادی سے نقشبندیہ طریقے سے بیعت و اجازت حاصل کی اور ذکر و اشغال کے طریقے سیکھے۔ بعد کو مرشد کامل کی تلاش میں ارکاٹ پہنچے وہاں حضرت حاجی رحمت اللہ نائب رسول اللہ کی خدمت میں ایک سال تک رہ کر سلوک میں مشغول رہے اور رفاعیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، شطاریہ، مداریہ وغیرہ طریقوں میں بیعت کر کے تمامی اشغال و اعمال کی پابندی شروع کی اور خرقۂ خلافت و اجازت عامہ حاصل کر کے مرشد کی اجازت سے حیدرآباد کا رخ کیا۔

قیام حیدرآباد حیدرآباد میں آپ کی ذات بابرکات سے طالبین نے بہت فیض پایا آپ کے کمالات کی اتنی شہرت تھی کہ اکثر عمائدین شہر نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ نواب فخر الدین خاں امیر کبیر شمس الامرا بہادر اور نواب رفعت الملک بھی آپ کے زمرۂ مریدین میں شامل ہوئے آپکے فیض کمالات نے ہزارہا مخلوق کو آپکے دیدار کا مشتاق بنادیا۔ آپنے خاص و عام کے اژدحام اور مریدین کے ہجوم سے متنفر ہو کر قصبہ شمس آباد میں قیام کیا نواب شمس الامرا نے اس قصبہ کو بطور جاگیر نذر کر کے اس کی سند پیش کی آپ نے جاگیر لینے سے انکار کیا اور سند چاک کر کے پھینکدی۔

نواب شمس الامرا آپکے اتنے معتقد تھے کہ اپنے ایک صاحبزادے کا نام بھی آپ ہی کے نام پر محمد رفیع الدین خاں رکھا جو بعد میں بڑے بڑے خطابوں سے سرفراز ہوئے اور بالعموم عمدۃ الملک منجھلے میاں کے نام سے مشہور تھے۔ نواب فخر الدین خاں شمس الامرا

کے دوسرے فرزند محمد بدرالدین خاں رفعت جنگ معظم الدولہ معظم الملک بھی آپ ہی کے مرید و معتقد تھے۔ یہ بہت بڑے مصنف اور شاعر تھے۔ انھوں نے اپنے دیوان میں مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کا ذکر خاص اعتقاد سے کیا ہے وہ لکھتے ہیں ؎

تب سے اس کے اور بھی رتبہ ہوا آئین کا
جب سے بدرالدین ہوا بندہ رفیع الدین کا
اک نگاہِ لطف سے جس کے ہے عالم فیضیاب
ہے تصور دل کو اس کی چشم فیض آگین کا
دو جہاں کی بادشاہی ہم کو حاصل ہو گئی
منہ سے نکلا اس کے ایسا حرف اک تسکین کا
دین و دنیا کے ہیں مالک پیر و مرشد اے تمیز
حامئی روزِ جزا ہے کون اس مسکین کا

نواب معظم الملک کے حالات اور تصنیفات وغیرہ کے متعلق اسی خاندان کے ایک فرد نواب محمد ظہیرالدین خان کا تفصیلی مضمون "مرقع سخن" میں شائع ہو چکا ہے۔ نواب معظم الملک کے علاوہ شمس الامرا کے دوسرے صاحبزادے رشید الدین خاں اقتدار الملک وغیرہ بھی مولانا شاہ رفیع الدین ہی کے مرید تھے۔ چنانچہ ان کے بعد ان کی اولاد کو شمس الامرا کی پائیگاہ سے متعدد جاگیریں عطا ہوئیں۔ جن سے اب تک مولانا کی اولاد بہرہ مند ہے

عربستان کا دوسرا سفر حیدرآباد کے قیام کے بعد آپ نے دوبارہ مکہ معظمہ کا ارادہ کیا اور بعد انفراغ حج مدینۂ منورہ کی زیارت اور عربستان کی سیاحت میں تین سال گذار دئیے اسی زمانے میں ایک مشہور کتاب "ثمراۃ المکی" تحریر کی جس کا ذکر آگے آئے گا۔ حج و زیارت سے فراغت حاصل کر کے آپ تین سال بعد قندھار تشریف لائے۔ اور یہاں ایک خانقاہ تعمیر کی تاکہ فقرا اور مساکین اس میں آرام و اطمینان سے ذکر و شغل میں مصروف رہیں۔

سفرِ حیدرآباد | کچھ دن بعد حیدرآباد تشریف لائے۔ آپ کی آمد کی اطلاع سن کر باشندگانِ حیدرآباد نے آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور پھر ذکر و شغل اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ آپ کے عالم اور کامل ہونے کی اسقدر شہرت ہوئی کہ دن رات آپ کی قیام گاہ پر ہجوم رہنے لگا۔ اسکا آوازہ اعظم الامراء ارسطو جاہ مدار المہام وقت کے کانوں تک بھی پہنچا اور انہوں نے مولانا کو اپنے پاس بلایا لیکن مولانا نے جواب دیا "میں جس علم کا خدمت گذار ہوں اس کا اقتضا یہ نہیں ہے کہ میں سلاطین و امرا کے دروازوں پر جبیں سائی کروں" اس جواب سے ارسطو جاہ مکدر ہو گئے اور مولانا کو حیدرآباد سے نکلوانے کیلئے مغفرت منزل کی بارگاہ سے اجازت چاہی اور یہ عرض کیا "آجکل قندھار سے ایک شاہ صاحب آئے ہوئے ہیں اور رعایا کو اپنا اسقدر گرویدہ بنا لیا ہے کہ اگر چند روز ان کا شہر میں قیام رہا تو اس کا قوی احتمال ہے کہ سیاست ملکی میں خلل واقع ہو جائیگا" اس معروضہ کی بنا پر فرمان ایسے وقت شرف صدور لایا کہ مولانا ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر مکہ مسجد میں تشریف فرما تھے اور بیعت کا سلسلہ جاری تھا۔ ہجوم اور کثرت کے سبب مولانا نے اپنے عمامہ کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں رکھا تھا اور بیعت کرنیوالے صرف عمامے کو چھو رہے تھے۔ مولانا نے فرمان سنتے ہی کمل کندھے پر ڈال لی اور حضرت حسین شاہ ولیؒ کی درگاہ کو چلے گئے۔ پرانے پل تک ہمراہیوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ چکی تھی۔ یہاں کوتوالی رعایا کی روک تھام کر رہی تھی حتیٰ کہ اس نے مولانا کے دروازے سے نکل جانے کے بعد پل کا دروازہ بند کر دیا لیکن فرطِ جوش سے عقیدتمند فصیل پھاند کر مولانا کے ساتھ ہو گئے۔ مولانا نے

درگاہ میں چند دن قیام کیا اور پھر قندھار واپس چلے گئے آپکی مراجعت کے بعد ہی ارسطو جاہ نے اچانک انتقال کیا اور میر عالم نے قلمدان وزارت کا جائزہ حاصل کیا۔ پہلا فرمان منسوخ کر دیا گیا جسکی بنا پر نواب شمس الامرا امیر کبیر نے مولانا کو حیدر آباد تشریف لانے کی دعوت دی۔ مولانا حیدر آباد آکر جان علی خاں کے باغ میں قیام فرما ہوئے۔ مولانا کی صحت جسمانی خراب ہو چکی تھی۔ بصارت میں بھی کافی کمزوری پیدا ہو گئی تھی۔ اب ہجوم کی بھی وہ حالت نہ تھی کیونکہ مولانا نے خود ملنا جلنا ترک کر دیا تھا چند خاص خاص مریدین و معتقدین حاضر رہتے تھے۔ نواب شمس الامرا کے کل خاندان نے مولانا کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس دعوت کا اصل مقصد بھی یہی تھا۔ اس کے بعد مولانا قندھار تشریف لے گئے۔ کہتے ہیں کہ اسکے کچھ دن بعد حضرت مستان شاہ صاحب مجذوب نے آپکے دولت خانے کی دیوار کو پتھر سے توڑنے کی کوشش کی۔ معلوم ہونے کے بعد مولانا نے تبسم فرمایا اور کہلا بھیجا کہ آپکو زحمت گوارا کرنے کی ضرورت نہیں" اس ارشاد پر مجذوب موصوف واپس چلے گئے معتقدین نے اس راز کو معلوم کرنا چاہا تو مولانا نے فرمایا کہ اس مکان کی شکل بدل دی جائیگی چنانچہ کچھ دن بعد آپ بخار اور ضعفِ معدہ سے علیل ہو گئے اور صحت روز بروز رو بزوال رہی آخر آپ نے ۱۶ رجب ۱۲۴۱ھ میں ستہتر سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ اور آپکا مکان ایک عالیشان گنبد کی شکل میں منتقل ہو گیا۔ اکثر شعرا نے تاریخیں نکالی ہیں جن میں دو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ قاضی محمد شمس الدین شمس اودگیری

شہ رفیع الدین جہاں بگذاشتہ | رخت بر جام فلک برداشتہ
سال تاریخ وفاتش گفت شمس | ایک الف دو صد چہل ایک ساختہ

۱۲۴۱ھ

۲۔ مولانا شاہ غلام رفاعی

مولوی معنوی شاہ رفیع اللقب — رفت بدار الجنان کرد علم را نصب
سال وفاتش چنیں ہاتف غیبی زغیب — گفت "شب جمعہ را شانزدہم از رجب"
۱۲۴۲ھ

ضلع ناندیڑ کے لئے ۱۶ ار اور ۱۰ ار رجب کی دو تاریخیں خاص اہمیت رکھتی ہیں انھیں ایام میں حضرت حاجی سیاح سرورؒ کا عرس نہایت تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے اور اطراف واکناف اور دور دور سے زائرین زیارت سے مشرف اندوز ہونے کیلئے آتے ہیں۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی سینکڑوں زائرین آئے ہوئے تھے اور مولانا کے وصال کی اطلاع پر خلق اللہ کے ہجوم کی انتہا نہ تھی۔ راجہ گلاب سنگھ کی عملداری تھی، وہ خود معہ اپنی فوج کے جنازہ کے ساتھ رہا۔ مولانا کو انکے ذاتی مکان میں جسمیں آپکی بڑی زوجہ انور بی بی صاحبہ قیام پذیر تھیں دفن کیاگیا نواب امیر کبیر شمس الامراء محمد فخر الدین خاں بہادر نے مزار شریف پر گنبد تعمیر کروایا جس پر بعض کتابوں میں تیس ہزار اور بعض میں پچاس ہزار کی لاگت آنا بتلایا گیا ہے حسن خاں اور عمر خاں لاہوری کے زیر اہتمام یہ گنبد تیار ہوا ہے۔ اسی پائیگاہ سے اب بھی آپ کی اولاد اور سالانہ اخراجات عرس کیلئے رقم ملتی ہے۔

مولانا بحیثیت شاعر | آپ فارسی کے شاعر تھے اور نطق تخلص کرتے تھے۔ منشی قدرت اللہ شوق سے تلمذ تھا لیکن حاجی رحمت اللہ کی بافیض صحبت نے اس شغل کو جاری نہ رہنے دیا بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ کہ آپ نے اپنا جو کچھ بھی سرمایہ شاعری تھا سب جلا دیا چند اشعار تاریخ اور تذکروں میں ملتے ہیں جنھیں یہاں نقل کر دیا جاتا ہے۔

بیا بیا کہ شہید تو بے دفن باقیست | برنگ شمع بفانوس در کفن باقیست
زروئے لطف بکس بوسہ دادۂ شاید | کہ ہمچو شبنم گل نقش بر دہن باقیست
سپند وار ز سوزِ تو نالہا کردیم | سخن تمام شد و آخریں سخن باقیست

خواندہ ام بر لوح دل حرفِ تجلی کسے | محو از خود گشتہ ام محتاج تکرارم ہنوز

مولانا بحیثیت ادیب مولانا بحیثیت نثر نگار فارسی کے اچھے ادیب تھے اور تصوف میں آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ آپکی متعدد کتابیں موجود ہیں جنمیں دو تو بہت ہی مشہور ہیں

۱۔ ثمراۃ المکی۔ قیام مکہ معظمہ کے زمانے میں یہ کتاب ۱۱۹۸ھ میں لکھی گئی کتاب کی اہمیت کا اس جملہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے جسکو مولانا نے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے۔

"سبب تالیفش آنست کہ فقیر در شب جمعہ در حطیم مکہ معظمہ در بعضے مبشرات خود رویائے دیدم کہ از دیوار کعبہ شریف یک کتاب و یک قلمدان بیروں آمد شاد مانی تمام آں ہر دو را گرفتم و فی الحال بزرگے ندا کرد کہ ایں کتاب و قلمدان از جناب حضرت سرور کائنات بتو عنایت شدہ مبارک باد"

پوری کتاب تین عنوانات پر مشتمل ہے

۱۔ لزوم بیعت متعارفہ

۲۔ اذکار سر و جہر مخصوصہ طریقہ عالیہ قادریہ

۳۔ اعمال و وظایف و تعویذات و طلسمات مروجہ مشایخ طریقہ

مولانا کے مکہ معظمہ سے واپس تشریف لانے کے بعد عقیدتمندوں نے کتاب کی نقلیں لیں لیکن اکثر مقامات صحت مشتبہ رہ گئی۔ ایک عرصہ بعد مولانا انوار اللہ خاں المخاطب نواب فضیلت جنگ بہادر استاد حضور پرنور خلد اللہ ملکہ نے اسکی طباعت کا خیال کیا اور مختلف نسخوں سے اسکی تصحیح کرائی قاضی شریف الدین صاحب ناظر دائرۃ المعارف نے اس اہم کام کی ذمہ داری قبول کی تھی۔ طلسمات وغیرہ کی صحت حضرت شیخ محمد بن احمد قادری الشاذلی نے کی جنکا مزار بمقام دیوکندرہ ضلع رائچور مرجع خاص وعام ہے۔ یہ کتاب مجلس اشاعتہ العلوم مدرسہ نظامیہ سے شائع ہوئی ہے

۲۔ انوار القندھار۔

اس کتاب کے ابتدائی حصہ میں مولانا کی ابتدائی زندگی کی خود نوشتہ سوانح ہے اور اس کے بعد علماء و اولیائے قندھار کا مفصل حال لکھا ہے۔ نہایت مفید اور مستند تذکرہ ہے۔

۳۔ تذکرہ نوبہار ۱۲۱۶ھ۔ فارسی شعرا کا مختصر سا تذکرہ ہے جسمیں تقریباً ۷۰ شعرا کا حال درج ہے۔

۴۔ انفاس العاشقین ۱۱۹۵ھ۔ ۵ رسالہ چشتیہ۔ ۶ سلوک نقشبندیہ۔ یہ مختصر سے رسالے ہیں جن میں مولانا نے تصوف اور سلسلہ چشتیہ و نقشبندیہ کے ذکر و شغل کے طریقے اپنے مریدین کو بتائے ہیں۔ رسالہ چشتیہ۔ اور سلوک نقشبندیہ یہ سب کتابیں کتبخانہ آصفیہ میں موجود ہیں۔

مولانا کی اولاد مولانا کی تین بیویاں تھیں پہلی حضرت النور بی بی صاحبہ بنت غیاث الدین صاحب قاضی قصبہ نرسی۔ دوسری حضرت قادر بی صاحبہ جو قصبہ کونٹگیر کے خاندان قضاۃ سے تھیں تیسری حضرت پیرمان صاحبہ۔

فرزند اوّل شاہ نجم الدین

آپ کے سب سے بڑے فرزند شاہ نجم الدین صاحب جید عالم تھے اور علوم ظاہری و باطنی پر کافی عبور تھا آپ کی دو شادیاں ہوئیں لیکن کسی سے اولاد نہ ہوئی اور آپ اپنے والد بزرگوار کو ۱۲۲۴ھ میں داغ مفارقت دے گئے۔ آپکا مزار قاضی محلہ کی مسجد میں ہے

فرزند دوم زین العابدین

دوسرے فرزند شاہ زین العابدین صاحب تھے جنھوں نے اپنے پدر بزرگوار سے خرقۂ خلافت ۱۲۴۲ھ میں حاصل کیا تھا بلدہ حیدرآباد ہی میں مقیم تھے اور وہیں وفات پائی آپ کا مزار مولانا شجاع الدین صاحب کی گنبد کے روبرو شرقی جانب مولوی یار محمد صاحب کی جالی کی قبر کے چبوترہ پر ہے۔ آپکے تین فرزند اور ایک دختر تھیں۔

پہلے فرزند شاہ محمد تاج الدین صاحب۔ ب محمد ولی اللہ صاحب دونوں نے لاولد انتقال کیا۔

ج۔ غلام انبیا صاحب۔ انکی دو دختر تھیں ایک امین الدین دادا میاں محتسب قندھار سے منسوب ہوئیں جنکی دختر زوجہ احتشام الدین جاگیردار پیپری کے دو فرزند اعتضاد الدین صاحب و انتصار الدین صاحب بخیر اس وقت موجود ہیں۔ غلام انبیاء صاحب کی دوسری لڑکی حمید الدین صاحب صدیقی قاضی احمد پور (در وال راجورہ) سے بیاہی گئیں ان کے فرزند احمد الدین صاحب موجود ہیں۔

تیسرے فرزند قائم شاہ

حضرت قیام الحق والدین مولانا قائم شاہ قدس سرہ۔ آپنے اپنے والد بزرگوار سے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا آپ ہمیشہ حیدرآباد میں رہے۔ معتقدین و مریدین کافی تعداد میں تھے۔ تین مواضع پیپل گاؤں۔ پانگری۔ ڈھینہ سرکار سے بطور جاگیر عطا ہوئیں تھیں۔ آپ کی والدہ قادر بی صاحبہ ہمیشہ آپ کے پاس رہیں۔ بڑی عابدہ تھیں

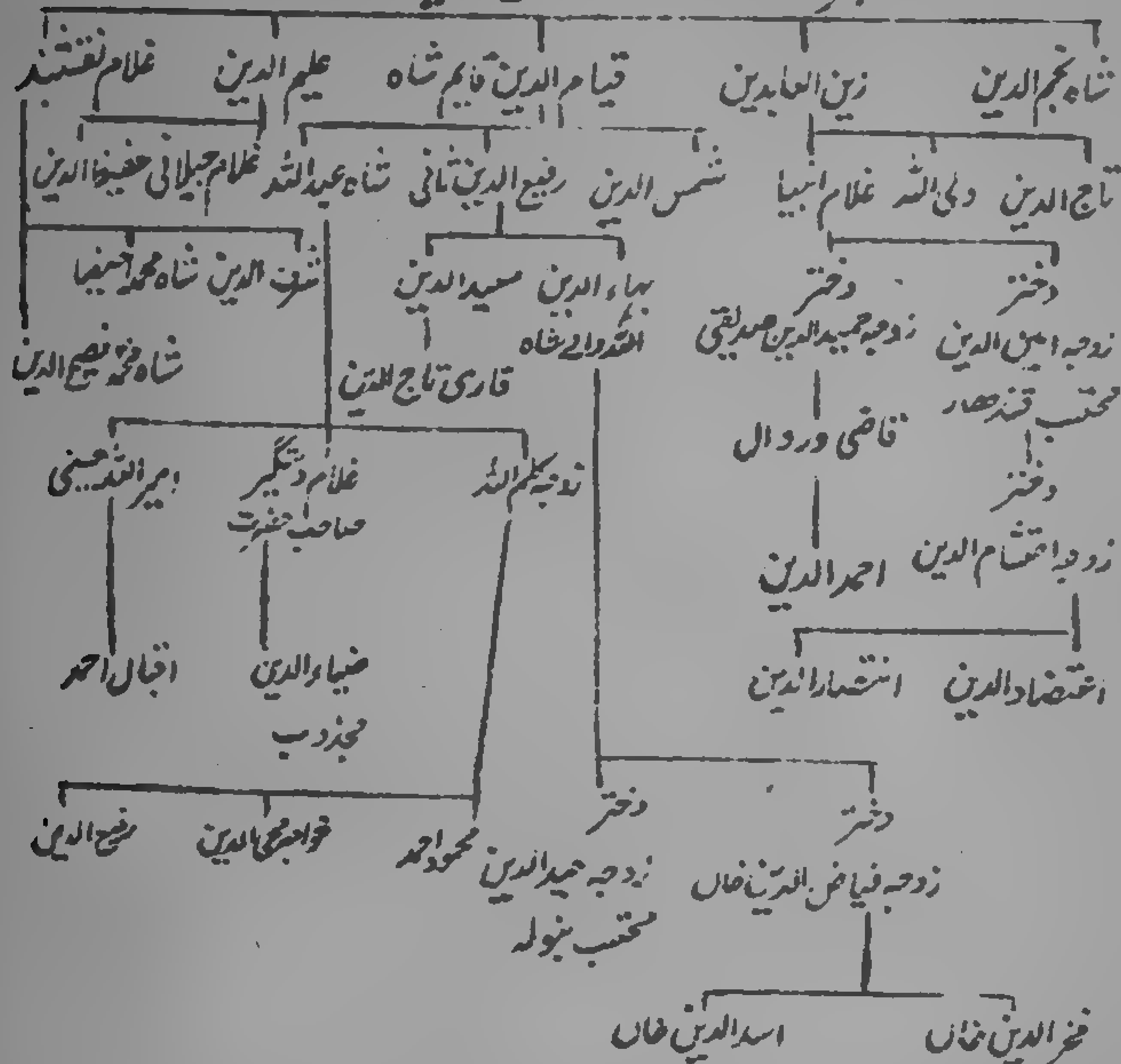
خاندان بیگمات آپ کی بہت معتقد تھیں آپ کے وصال پر نواب ملکہ کبیر نے یاقوت پورہ کے باہر ایک باغ عنایت فرمایا اس میں آپ کا مقبرہ ہے۔ ۱۱ ربیع الثانی ۱۲۸۹ھ میں جب حضرت قایم شاہ قدس سرہٗ کا وصال ہوا تو آپ اپنی والدہ ماجدہ کے بازو سپرد خاک کئے گئے آپ کے اخراجات عرس و عود و گل کے لئے پائیگاہ سے ۱۲ ؎ مقرر ہیں۔

حضرت قیام شاہ صاحب کے تین فرزند اور دو دختران تھیں۔ ا۔ شمس الدین جو لاولد انتقال کر گئے ۲۔ رفیع الدین ثانی ۳۔ شاہ عبداللہ صاحب۔ ایک دختر ہدایت علی صاحب سے منسوب ہوئیں اور دوسری تاج الدین صاحب سے۔ رفیع الدین کے دو فرزند تھے بہاء الدین عرف اللہ والے شاہ صاحب اور دوسرے شاہ سعید الدین من اللہ موخر الذکر کے فرزند تاج الدین شیخ القرا اس وقت موجود ہیں اور اپنے فن میں حیدرآباد میں یگانہ روزگار ہیں۔

بہاء الدین عرف اللہ والے شاہ صاحب کی دو لڑکیاں تھیں ایک فیاض الدین خاں بنیرہ حافظ یار جنگ سے منسوب ہوئیں اور دوسری سید الدین تحصیلدار منسوب دوم تعلقدار سے۔ اول الذکر کے دو لڑکے فخر الدین خاں اور اسد الدین خاں اس وقت موجود ہیں۔ قیام شاہ صاحب کے تیسرے لڑکے شاہ عبداللہ سے حضرت مشکل آسان کے خاندان کی دختر رفاعی بیگم منسوب تھیں جن سے دو فرزند غلام دستگیر اور امیر الدین حسینی صاحب ہوئے اول الذکر کے فرزند ضیاء الدین صاحب مجذوب اور موخر الذکر کے اقبال احمد صاحب ہیں

چوتھے فرزند علیم الدین	علیم الدین کے دو فرزند غلام جیلانی اور حفیظ الدین تھے ان کی اولاد موجود ہے۔
پانچویں فرزند غلام قیم نقشبند	ان کے تین بیٹے تھے شرف الدین، محمد اصفیا اور فصیح الدین ان کی اولاد بسمت ضلع پربھنی میں اب کم موجود ہے۔

شجرۂ اولاد مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری



مولانا شاہ رفیع الدین قدس سرہ کی آل

آپ کی چار صاحبزادیاں تھیں ۔ پہلی صاحبزادی قاضی آصف قاضی نظام آباد سے بیاہی گئیں جن سے ایک صاحبزادے معین الدین ہوئے ۔ جن کے دو فرزند تھے نواب فیروز یار جنگ اور نواب معز یار الدولہ تھے جو اعلیٰ حضرت کے اتالیق اور نہایت لائق اور نیک کردار بزرگ تھے ۔ ان دونوں کے خاندان اور اولاد کا تذکرہ ضمیمہ میں درج رہے گا

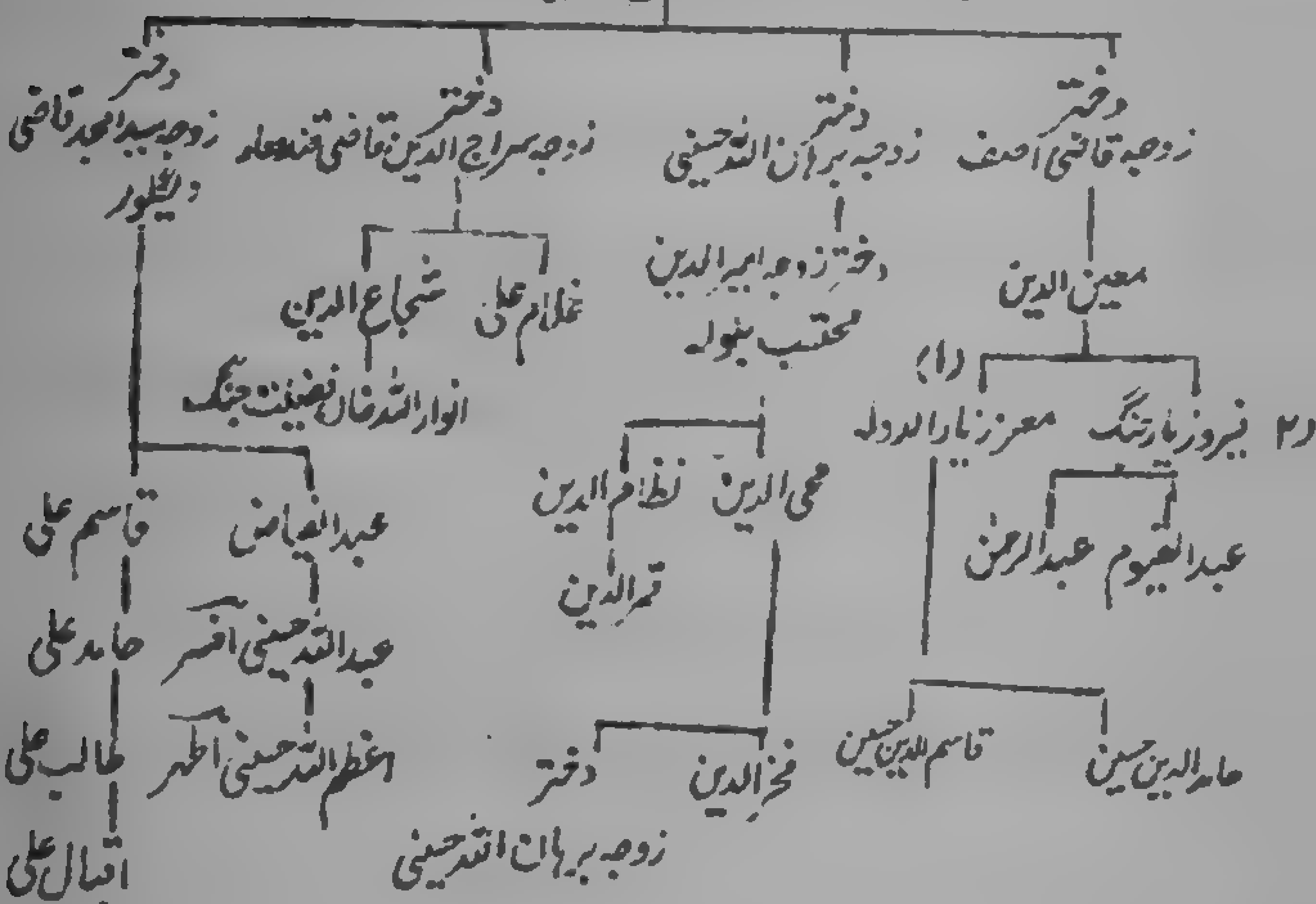
فیروز یار جنگ کے تین لڑکے تھے عبدالقیوم عبدالحی عبدالرحمٰن صاحب مہتمم پولیس موجود ہیں معز زیار الدولہ کے فرزندوں حامد الدین حسین و نواب قاسم الدین حسین کا تذکرہ ضمیمہ میں شامل ہے۔

دوسری صاحبزادی برہان اللہ حسینی صاحب اولاد حضرت سانگڑے سلطان مشکل آساں سے بیاہی گئیں جن کی ایک لڑکی تھی جو امیر الدین محتسب بنولہ سے منسوب ہوئیں۔ ان سے دو لڑکے محی الدین احمد و نظام الدین احمد ہوئے اول الذکر سے ایک فرزند فخر الدین صاحب اور ایک لڑکی ہو برہان اللہ حسینی صاحب شائخ و سجادہ چھوٹی درگاہ قندھار سے بیاہی گئیں۔ دوسرے لڑکے نظام الدین صاحب سے ایک صاحبزادہ قمر الدین صاحب موجود ہیں۔

مولانا کی تیسری صاحبزادی سراج الدین صاحب قاضی قندھار سے بیاہی گئیں جن کے دو لڑکے غلام علی صاحب اور شجاع الدین صاحب تھے غلام علی صاحب قاضی تھے انکے لڑکے غلام محمد تھے جنکے فرزند غلام احمد نے لڑکپن میں انتقال کیا اور قضاءت قندھار شجاع الدین صاحب کے خاندان میں منتقل ہو گئی شجاع الدین صاحب کے دو مایہ ناز سپوت مولانا مولوی انوار اللہ خاں فضیلت جنگ اور مولوی امیر اللہ صاحب تھے مولانا انوار اللہ صاحب نے قندھار کی قضاءت جو غلام محمد صاحب کے بعد منتقل ہوئی تھی اپنے بھائی قاضی امیر اللہ صاحب کے نام منتقل کردی۔ انکا ذکر قاضیان قندھار میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔ مولانا کی چوتھی صاحبزادی زینب بی سید احمد علی قاضی دیگلور سے بیاہی گئیں جن سے کئی لڑکے ہوئے انکی اولاد موجود ہے۔ انکے ایک فرزند عبدالقیاس تھے جنکے فرزند عبداللہ حسینی افسر مشہور شاعر تھے انکے دو لڑکے سید اعظم اللہ حسینی طرؔ اور سید محمد حسین آزاد حیدرآباد کے مشہور شعرا میں شمار کئے جاتے ہیں۔ افسر صاحب سرن پلی تعلقہ نظام آباد کے جاگیردار تھے۔

چنانچہ ان کی اولاد اب بھی جاگیر سے حصہ پاتی ہے۔ ان کے حالات ضمیمۂ کتاب میں درج ہیں۔

شجرۂ آل مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری



پانچویں فصل

قاضیانِ قندھار

مولانا شاہ رفیع الدین کے تذکرہ میں ان کے جد امجد قاضی شیخ احمد اور ان کی اولاد کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ قاضی محمود کے چار فرزند تھے جنمیں سے دوسرے عبدالرحمن قاضی قندھار ہوئے۔ گویا تاریخ میں قندھار کے سب سے پہلے قاضی یہی نظر آتے ہیں نظام شاہی عہد میں انکو یہ خدمت تفویض ہوی تھی۔ انکے بعد انکے بیٹے قاضی علی عہد شاہجہاں میں ۱۰۶۴ھ میں قندھار کی قضاءت اور موضع ہڈلی کی جاگیر سے سرفراز ہوئے۔ انکے فرزند قاضی صدیق تھے جو غالباً ملک عنبر کے اقتدار قندھار کے زمانے کے قاضی تھے

قاضی ولی محمد اور قاضی خیرالدین | قاضی صدیق کے دو فرزند ولی محمد اور خیرالدین تھے جو ۱۰۷۹ھ میں قضاءت و احتساب سے سرفراز ہوئے۔ پہلے قضاءت قندھار کا کام اور دوسرے قضاءت سانڈباڑ (عثمان نگر) اور احتساب قندھار کی خدمت انجام دیتے تھے

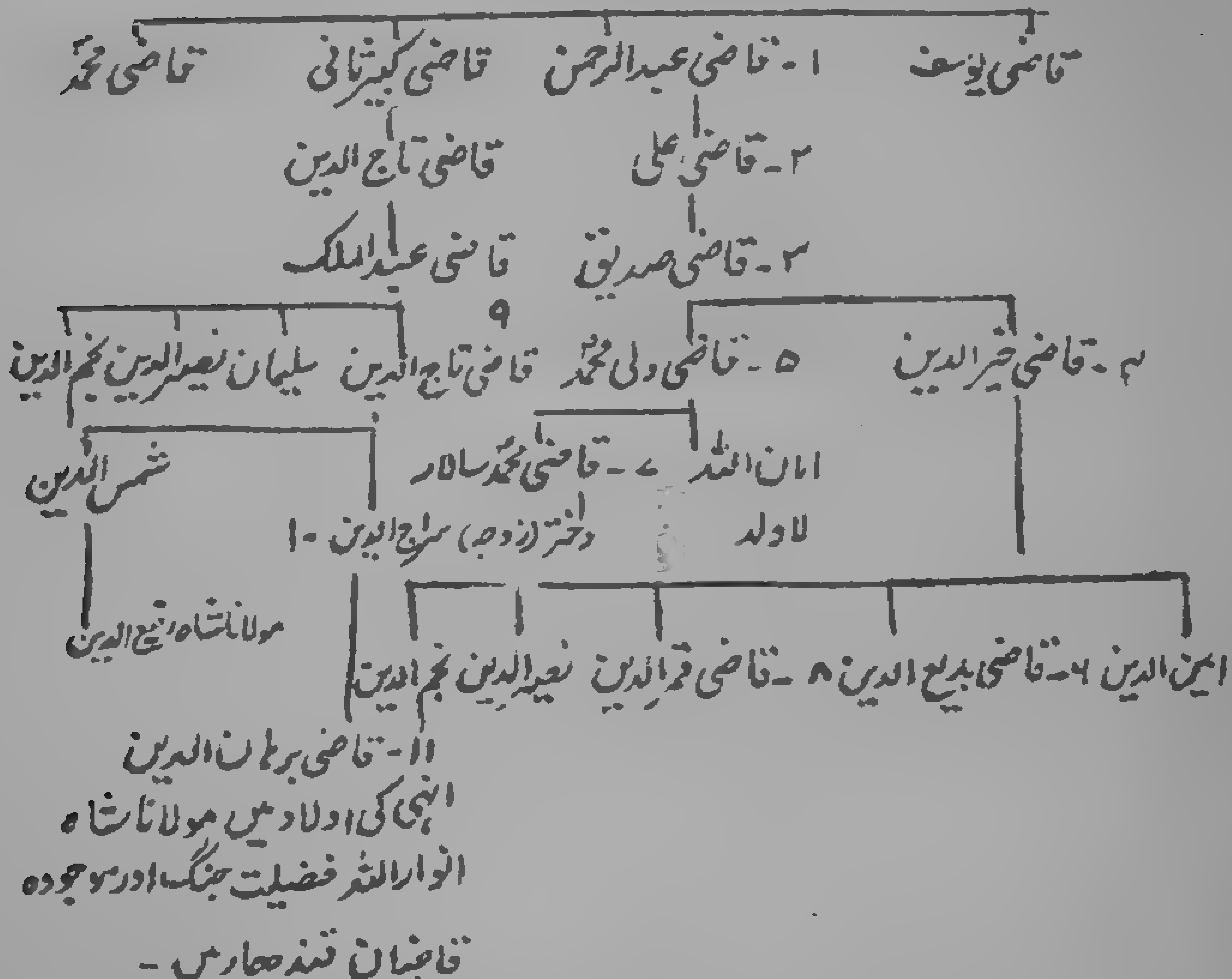
قاضی ولی محمد کے دو لڑکے تھے۔ قاضی محمد سالار اور محمد امان اللہ قاضی خیرالدین کے پانچ لڑکے تھے۔ ۱ قاضی محمد امین الدین ۲ قاضی بدیع الدین ۳ قاضی محمد قمرالدین ۴ نصیرالدین ۵ نجم الدین۔ باپ کے انتقال کے بعد امین الدین قاضی اور قمرالدین خطیب ہوئے۔ موخرالذکر کو قضاءت عثمان نگر بھی ملی چنانچہ انکی اولاد تبک اس خدمت پر فائز ہے۔

قاضی خیر الدین کے انتقال کے بعد قاضی ولی محمد اور قاضی بدیع الدین کے نام پر بالاشتراک قضاۃ قندھار حسب پروانہ نواب قلیچ خاں منظور ہوئی جب قاضی ولی محمد کا انتقال ہوا تو انکے بیٹے قاضی محمد سالار اور قاضی بدیع الدین بالاشتراک قاضی ہوئے موخر الذکر کے بعد انکے بھائی قاضی قمر الدین اور قاضی محمد سالار کے نام بالاشتراک خدمت قضاوت اور احتساب کی سند ملی۔

قاضی محمد سالار اور محمد امان اللہ کو اولاد نہ تھی۔ صرف قاضی سالار کی ایک دختر تھیں جو محمد سراج الدین فرزند قاضی محمد تاج الدین قاضی بھوکر سے منسوب ہوئیں اس زمانہ میں جگتیا ڈاکو نے قندھار پر حملہ کیا اور قاضی خیر الدین کی اولاد یا تو ماری گئی یا تباہ حال ہوگئی اور اس قابل نہ رہی کہ دہلی کا سفر کرکے سند قضاۃ حاصل کرے۔ قدیم اسناد و فرامین قاضی محمد سالار کی بیوی کے یہاں تھے انہوں نے اپنے داماد سراج الدین کے تفویض کردئے جن کے والد قاضی تاج بڑے مشہور اور صاحب ثروت بزرگ تھے انہوں نے کوشش کرکے خود اپنے نام قضاۃ اور خطابت قندھار کی سند حاصل کرلی اور ان خدمات جلیلہ کو دوسروں کے ہاتھ میں جانے سے بچالیا کیونکہ کہا جاتا ہے کہ قضاۃ قندھار پر قاضی خلیل کا تقرر ہوچکا تھا۔ بہر حال اس زمانے میں قضاۃ قندھار قاضی عبد الرحمن کی اولاد سے نکلکر انکے بھائی قاضی کبیر کی اولاد میں منتقل ہوگی۔

اب ہم یہاں قندھار کے پہلے قاضیوں یعنے اولاد قاضی عبد الرحمن کا شجرہ درج کرتے ہیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوگا کہ موجودہ سلسلہ قاضیان قندھار اور قدیم قاضیوں کے آپس میں کیا تعلق ہے۔ قاضی صاحبان کے ناموں کے آگے نمبر بھی ڈالدئے گئے ہیں تاکہ ترتیب معلوم ہو جو

قاضی محمود نبیرہ قاضی شیخ احمد قاضی احمد نگر



مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کے خاندانی تذکرہ کے سلسلہ میں اس امر کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ شاہ رفیع الدین صاحب کے دادا قاضی تاج الدین ولد عبدالملک کو ذریعہ سند نواب غفران مآب مرقومہ ۲۸ شعبان ۱۱۸۶ھ و سند نواب غفران پناہ غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ منصب قضاۃ و خطابت قندھار حاصل ہوئی ان کا شجرہ نسب بھی مولانا شاہ رفیع الدین کے تذکرہ میں موجود ہے قاضی محمود کے چار فرزند تھے۔

۱۔ قاضی یوسف ۲۔ قاضی عبدالرحمن ۳۔ قاضی کبیر ۴۔ قاضی محمود۔ قاضی کبیر کی اولاد میں

مولانا شاہ رفیع الدین اور موجودہ قاضیان وخطیبان قندھار شامل ہیں۔ انکے بھائی قاضی عبدالرحمن قاضی قندھار تھے اور انکی اولاد میں یہ خدمت آٹھ اصحاب تک جاری تھی اس خاندان سے نکل کر قاضی کبیر کے خاندان میں منتقل ہوگئی۔ اس کی تفصیل تاریخ قندھار دکن میں موجود ہے۔ البتہ قاضی عبدالرحمن کی اولاد اس وقت تک خدمت احتساب قندھار پر فائز ہے۔ محتبان قندھار کا تذکرہ اس کتاب کے آخری فصل میں مندرج ہے

قاضی تاج کے دو فرزند تھے ۱۔ سراج الدین ۲۔ شمس الدین موخرالذکر مولانا شاہ رفیع الدین کے والد تھے۔ سراج الدین قندھار کے قاضی اور خطیب ہوئے انکی دو بیویاں تھیں۔ پہلی زوجہ سے برہان الدین پیدا ہوئے جو قاضی قندھار ہوئے دوسری سے جلال الدین خطیب قندھار۔ موخرالذکر کا تذکرہ آیندہ فصل میں درج کیا جائیگا۔

قاضی برہان الدین کے دو فرزند تھے۔ ۱۔ بدرالدین ۲ علاءالدین موخرالذکر قاضی قندھار ہوئے۔ بدرالدین کے فرزند سراج الدین ثانی اور علاءالدین کے برہان الدین ثانی۔ سراج الدین ثانی قاضی قندھار ہوئے اور اور یہی مولانا شاہ رفیع الدین کے داماد تھے۔ انکے دو فرزند تھے قاضی غلام علی اور محمد شجاع الدین اول الذکر کی نسل انکے نبیرہ غلام احمد پر ختم ہوگی۔ غلام علی بڑے عالم وفاضل اور نواب سرخورشید جاہ شمس الامرا کے استاد اور صاحب اثر بزرگ تھے۔

مولانا محمد شجاع الدین | مولانا محمد شجاع الدین ۱۲۲۵ھ میں پیدا ہوئے آپکی ابتدائی تعلیم

قندھار کے مشہور عالم مولوی غلام جیلانی صاحب کے تفویض ہوی ۔ اسکی تکمیل کے بعد حیدر آباد آئے ۔ قرآن مجید حفظ کیا مولوی کرامت علی (شاگرد مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی) سے دینیات کی تعلیم پائی ۔ سلسلہ قادریہ ونقشبندیہ میں مولانا شاہ رفیع الدین صاحب سے اور حافظ محمد علی خیرآبادی سے طریق چشتیہ میں بیعت کی آپ مولانا کے حلقہ درس میں مثنوی شریف سنایا کرتے تھے مولانا شاہ سعداللہ صاحب خلیفہ مولانا شاہ غلام علیؒ دہلوی آپ کے پیر صحبت تھے آپ کے علم وفضل اور زہد وتقوی کی شہرت نے باشندگانِ بلدہ وامرائے عظام پر کافی اثر ڈالا ۔ نواب سراج الملک بہادر نے ۱۲۶۳ھ میں سرکار دھار ور (کی) منصفی پر آپکا تقرر فرمایا ۔ چودہ سال تک آپ نے اس خدمت کو انجام دیا ۱۲۷۷ھ میں نواب سرسالار جنگ اول نے صدر منصفی ضلع پر ترقی دی ۱۲۸۱ھ میں آپ اورنگ آباد پر منتقل کر دیئے گئے لیکن بوجہہ کبیر سنی آپ نے ملازمت سے سبکدوشی حاصل کی اور ۱۲۸۱ھ میں وظیفہ حسن خدمت لے کر حیدر آباد آ گئے ۱۲۸۸ھ میں ضیق النفس میں مبتلا ہو کر اس جہان فانی کو خیر باد کہا یہی وہ خوش قسمت باپ ہیں جنکو مولانا انواراللہ اور قاضی امیراللہ جیسے قابل فرزند پیدا ہوئے جن کا نام ہمیشہ کے لئے زندہ رہیگا ۔

مولانا انواراللہؒ ولادت وتعلیم | آپ ۴ ربیع الثانی ۱۲۶۴ھ میں بمقام ناندیڑ پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم مولانا کے والد بزرگوار نے دی مولانا شاہ بدیع الدین رفاعی کے یہاں قرآن شریف شروع کیا سات سال کی عمر میں آپکو حفظ قرآن مجید کیلئے حافظ امجد علی صاحب نابینا کے تفویض کیا گیا آپ نے چار سال میں کلام مجید حفظ کیا

مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی مولانا عبدالحی فرنگی محلی مولوی فیاض الدین اورنگ آبادی سے فقہ کی تکمیل کی شیخ عبداللہ یمنی جو اس زمانے میں بلدہ میں موجود تھے آپکو تفسیر وحدیث کے درس دیتے تھے آپکے ذوق علم کی تشنگی دیکھ کر آپکے استاد بھی انگشت بدندان تھے اور اپنے ذکی شاگرد کی اپنی تصنیفوں میں مختلف مقامات پر ذکر فرمایا ہے۔ آپ نے سلوک کی تعلیم اپنے والد سے پائی اور تمام سلسلوں میں بیعت کی۔

ازدواج وملازمت وغیرہ

۱۲۸۲ھ میں حاجی محمد امیرالدین محتسب بلدہ کی صاحبزادی آپ سے منسوب ہوئیں ۱۲۸۵ھ میں محکمہ مالگذاری میں خلاصہ نویسی کی خدمت پر مامور ہوئے لیکن اس ملازمت سے محض اس وجہ سے جلد سبکدوشی حاصل کرلی کہ اسمیں سودی لین دین کی مثل کا خلاصہ لکھنا پڑتا تھا۔ مستعفی ہونے کے بعد آپ پھر درس وتدریس میں مشغول ہوگئے اس اثنا میں محلہ جنیا دروازہ میں مولوی امیرالدین صاحب پونیہری نے ایک مسجد اور مدرسہ بنایا تھا جو عام مسلمانوں اور خاصکر اہل خدمات شرعیہ کی اولاد کی تعلیم وتربیت میں سرگرم تھا ملازمت سے علحدہ ہونے کے بعد جب مولانا خانہ نشین ہوگئے تو بانی مدرسہ امیرالدین صاحب نے آپکو بھی اسمیں درس وتدریس کی دعوت دی۔ آپ کے تعلق کے بعد اور خاصکر آپکی ترقی کے زمانے میں مدرسہ کو بھی ترقی ہوی اور آخرکار وہ آپ ہی سے متعلق ہوگیا ۱۲۹۲ھ میں مولانا اسکے اعزازی صدر مقرر ہوئے۔ آپکی تعلیم کی شہرت نے اتنی ترقی پائی کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ بلاد اسلامیہ سے شائقین علم اپنی تشنگی علم بجھانے آتے اور فیضیاب ہوتے۔

سنہ ۱۲۹۴ھ میں آپ نے حج کا ارادہ فرمایا مکہ معظمہ پہنچ کر شیخ الوقت فانی فی اللہ باقی باللہ حاجی امداد اللہ احمد سے تمام سلسلوں میں مکرر بیعت کی اور سلوک کے منازل کی تکمیل کی۔ آپکے ذوق علم اور اعلیٰ قابلیت کی بنا پر آپکے پیرو مرشد نے بلا طلب خلعتِ خلافت مرحمت فرمایا۔

مولانا بحیثیت استاد مغفرت مکان

سنہ ۱۲۹۵ھ میں محمد زماں خاںؒ نے جو اعلیٰ حضرت غفراں مکان کے استاد تھے درجہ شہادت پایا اور انکے بجائے انکے بھائی مولوی مسیح الزماں خاں تعلیم کیلئے مقرر ہوئے لیکن آپکو دیگر امور سلطنت بھی انجام دینے پڑتے تھے اسلئے مولانا انوار اللہ کا اس خدمت کے لئے انتخاب کیا اور نواب سر سالار جنگ اول سے رائے لیکر دربار سے منظوری بھی حاصل کرلی لیکن اسکی اطلاع مولانا کو اسوقت تک نہ ہوئی جب تک فرمان شرف صدور نہ پایا۔ فرمان دیکھ کر مولانا نے کہا "قومی خدمت بادشاہوں کی خدمت سے کہیں زیادہ بہتر ہے پس اسکو قبول نہیں کرسکتا" لیکن مولانا مسیح الزماں نے آپکو سمجھا دیا "میں نے پہلے پہل تمام مراحل طے کرکے منظوری حاصل کی ہے اگر آپ انکار کرینگے تو مجھے خفیف ہونا پڑے گا" مولانا نے بعد میں اسکو منظور کرلیا۔ اس سلسلے میں آپکو چار سو روپیہ ماہانہ خزانہ صرفخاص سے تاحیات ملتے رہے۔ سنہ ۱۳۰۱ھ میں دربار جشن تخت نشینی میں آپکو خطاب "خاں بہادر" اور ایک ہزاری منصب عطا ہوا۔

۱۳۰۱ھ میں حجاز کا دوسرا سفر کیا۔ ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۰۲ھ میں مولانا کی اہلیہ محترمہ نے حیدرآباد میں انتقال کیا۔ ۱۳۰۵ھ میں حجاز کا تیسرا سفر کیا اور اس سفر میں ہوتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے۔ اور یہاں تین سال تک اقامت اختیار کی یہاں آپ کا تقریباً تمام وقت حرم محترم اور کتب خانوں میں گذرتا۔ آپکی تصنیف "انوار احمدی" اسی زمانہ میں لکھی گئی ہے۔ اس تین سال کے عرصہ میں مولانا نے کتب خانہ شیخ الاسلام اور کتب خانہ محمودیہ سے نادر نسخوں کے نقل کرانے میں ہزاروں روپیہ صرف کیا جن میں سے حسب ذیل مشہور ہیں۔

۱۔ کنز العمال۔ حدیث کی کتاب ۹ جلدوں میں

۲۔ جامع مسانید امام اعظمؒ۔ ۳۔ جوہر نقی علی سنن بیہقی ہے۔ ۴۔ احادیث قدسیہ ۱۳۰۷ھ میں آپکی ہمشیرہ اور فرزند نے وہیں انتقال کیا۔ ہمراہیوں نے بلدہ چلنے پر مجبور کیا اسلئے آپ ۱۳۱۰ھ میں مراجعت فرمائے بلدہ ہوئے۔ آپکی واپسی پر اعلیحضرت غفران مکاں نے آپکو اعلیحضرت نواب میر عثمان علیخاں آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہ کی تعلیم کیلئے مقرر فرمایا۔ اور یہ سلسلہ تخت نشینی (۱۳۲۹ھ) تک جاری رہا۔ ۱۳۱۴ھ میں آپ پھر مقامات مقدسہ کی زیارت سے شرف اندوز ہونے کیلئے معہ احباب کھڑے ہوئے۔ بغداد شریف نجف اشرف وغیرہ ہوتے ہوئے ہندوستان کے بھی بزرگان دین کی زیارت حاصل کی ۱۳۲۱ھ میں حسب فرمان عطوفت نشان آپ ناظم امور مذہبی و صدر الصدور صوبہ جات دکن مقرر ہوئے۔ اور جب نواب مظفر جنگ بہادر معین المہام امور مذہبی نے ۱۳۲۳ف میں رحلت کی تو جہاں پناہ نے اس عہدہ جلیلہ پر آپ ہی کو ترقی دی۔ ۱۳۳۲ھ میں پرنس والاشان نواب اعظم جاہ بہادر پرنس آف برار اور والاشان نواب معظم جاہ بہادر کی تعلیم کے لئے مقرر ہوئے اور ۱۳۳۵ھ تک اسی خدمت کو انجام دیا

اور عدالت کے سبب اس خدمت سے دست برداری حاصل کی۔ اسی سال آپ کو نواب فضیلت جنگ بہادر کا خطاب سرفراز ہوا ۱۳۳۵ھ کے طاعون میں آپ اعلیحضرت قدر قدرت کے ہمراہ ورنگل تشریف لے گئے تھے اور ۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کے جلسۂ میلاد النبی منعقدہ مکہ مسجد میں شرکت کے لئے اجازت حاصل کرکے حیدرآباد تشریف لائے اور جشن میلاد النبی کے بعد پھر ورنگل واپس تشریف لیجارہے تھے کہ آپکی کمر میں درد شروع ہوگیا۔ ورنگل پہنچنے کے بعد حسب فرمان ایک مسجد کے معاینہ کے لئے تشریف لے گئے۔ حرکت سے درد میں اضافہ ہوتا گیا اس لئے اجازت لے کر حیدرآباد آگئے اور تین ماہ مختلف امراض میں علیل رہے۔ اوائل ۱۳۳۶ھ میں مرض سرطان میں مبتلا ہو گئے اور آخر پنجشنبہ کے دن جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ کا ہلال افق مشرق پر نمودار ہوا اور یہ آفتاب علم و عمل غروب ہوگیا۔

بعد نماز جمعہ مکہ مسجد میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ مولانا نے اپنی زندگی میں اپنا تن من دھن مدرسہ نظامیہ کے لئے وقف کردیا تھا اور وہیں دفن بھی کرنے کی وصیت کی تھی لہذا حسب ارشاد تعمیل کی گئی۔

مولانا نے مدرسہ نظامیہ کو بیحد ترقی دی۔ پہلے معلم پھر صدر بن کر اس کو جس معیار پر لا کھڑا کیا اسکا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا دیا جاسکتا ہے کہ بلاد اسلامیہ کے طلبا کا ہندوستان بھر میں صرف یہی ایک ملجا و ماویٰ تھا۔ مولانا کا دوسرا عظیم الشان کارنامہ دائرۃ المعارف النظامیہ ہے ۱۳۰۸ھ میں جب مولانا مدینۂ طیبہ سے واپس ہوئے اور اپنے ساتھ علم کے وہ گنجینے جنہیں ہزاروں روپیہ کے صرفہ سے نقل کروایا تھا لے آئے تو انھیں زمانہ کی دست برد سے بچانے کا خیال پیدا ہوا

لیکن اخراجات کی مجبوری نے عرصہ تک مولانا کو پریشان رکھا لیکن مولانا کے ارشاد پر ملا محمد عبدالقیوم سابق کمشنر و اول تعلقدار نے دائرۃ المعارف قایم کر دیا تاکہ مولانا کے ارادہ کی تکمیل باحسن الوجوہ انجام پا سکے اس کے قیام کے کچھ دنوں بعد سرکار سے پانچسو روپیہ ماہوار کی منظوری ہوی اور کنز العمال دائرۃ المعارف کی سب سے پہلی شایع کردہ کتاب ہے جسکو مولانا نے مکہ معظمہ میں نقل کروایا تھا۔ ۱۳۰۸ھ حیدرآباد کی تاریخ میں یادر ہے گا کہ مولانا کی تحریک اور ملا محمد عبدالقیوم اور عماد الملک کی مساعی جمیلہ سے ہندوستان کے ایک مشہور کتب خانہ "آصفیہ" کا قیام عمل میں آیا۔

مولانا نے اپنی صدارت امور مذہبی کے زمانے میں اور اس سے پہلے جو اصلاحی خدمات انجام دیں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ مولانا نے اشاعت تعلیم دینی کی غرض سے کئی مدارس مختلف مقامات پر قایم کروانے اور انھیں سرکاری امداد دلوائی۔ ریاست ابدمدت سے با مرجن مدارس کو امداد ملی حسب ذیل ہیں۔

۱ مدرسہ معینیہ عثمانیہ۔ اجمیر شریف ایک ہزار روپیہ سالانہ ۲ مدرسہ دیوبند۔ چھ سو روپیہ ماہانہ ۳ مدرسہ شرکولھاپور دو سو روپیہ ماہانہ ۴ مدرسہ بدایون۔ ایک سو پچیس روپیہ ماہانہ ۵ مدرسہ سبحانیہ الہ آباد۔ سو روپیہ ماہانہ ۶ مدرسہ فتح پور دہلی۔ پچاس روپیہ ماہانہ ۷ مدرسہ میواڑادوست پور۔ ایک سو پچیس روپیہ ماہانہ ۸

اس کے علاوہ عبداللطیف خاں صاحب بھوپالی نے مختلف صنعتوں سے قرآن مجید کی کتابت کروائی تھی اور طبع کرانا چاہتے تھے۔ مولانا نے ان خوبیوں کو دیکھ پچاس روپیہ ماہوار

تاحیات وظیفہ اور تین ہزار روپیہ کلدار طباعت کے لئے اخراجات دلائے۔
حکیم یعقوب خانصاحب نے کلام مجید کا مرہٹی میں ترجمہ کیا اس کے صلہ میں پچاس روپیہ تاحیات اور پندرہ ہزار روپیہ طباعت کے لئے دلادئے۔
تفسیر روح الایمان کی طباعت کے لئے مولوی فتح الدین صاحب پنجابی کو دو ہزار روپیہ کلدار دلائے۔ مسجد آسٹریلیا کی تعمیر کے لئے چالیس ہزار روپیہ اور بصرہ کی مسجد کے لئے بھی گراں قدر رقم دلوادی۔ یہ سب کچھ اسلام کے لئے تھا لیکن مولانا نے اپنے یا اپنے عزیز و اقارب کے لئے کچھ نہ کیا۔ حیدرآباد کے لئے انہوں نے بہت کچھ کیا محکمہ صدارت عالیہ کی مستقل و منظم شکل آپ ہی کی مرہون منت ہے دیہات میں پھرنے اور جاہل مسلمانوں کو ان کے فرائض یاد دلانے کے لئے واعظین مقرر کئے گئے۔ قاضیوں کو دورہ کر کے مسلمانوں کو "مسلمان" بنانے کے لئے احکام نافذ کئے جس سے خود قاضیوں کی اصلاح ہوئی اور دیہات کی حالت درست ہونے لگی۔ یہ طریقہ ابتک بھی جاری ہے۔ اہل خدمات شرعیہ ابتک وراثتاً چلے آتے تھے اور ان میں اپنی خدمتوں کو ادا کرنے کی قابلیت نہ ہوتی تھی مولانا نے اس طریقہ کو مسدود کر کے ان کے لئے امتحانات مقرر کروائے اور صرف انہیں کو اس خدمت کا اہل سمجھا گیا جو امتحان اہل خدمات شرعیہ کامیاب ہوں۔
مدرسہ نظامیہ میں غریب اہل خدمات شرعیہ کے لڑکوں کی تعلیم کا انتظام کیا گیا جہاں انہیں اب بھی کھانے، رہنے اور پڑھنے کے لئے غذا کمرے اور کتابیں دی جاتی ہیں نہ صرف یہ بلکہ لباس بھی۔
طوائفین سر بازار رہ کر تہذیب و تمدن اخلاق و عادات پر بہت برا اثر ڈالتی تھیں آپ نے انکو بازاروں سے برخواست کر دیا۔ ناپ تول کے پیمانوں کی تصحیح عمل میں آئی۔

عرس وغیرہ میں بینا بازار منعقد ہوتے تھے انہیں بھی بند کرا دیا۔ غرض مولانا کی اصلاحات ان گنت ہیں اور ان کا ذکر کرنے کے لئے ایک علحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔

مولانا بحیثیت ادیب مولانا کی زندگی کے واقعات کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ کی عدیم الفرصتی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے لیکن اس پر بھی مولانا اپنے وقت کے سب سے بڑے مصنف ہیں۔ آپ نے جتنی کتابیں اس زمانہ میں لکھیں ان سے حیدرآباد کی ادبیات میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا۔ تمام کتابیں مذہبی ہیں لیکن ان میں بھی موضوع مختلف ہیں۔ حدیث، فقہ اور سیرت پر متعدد کتابیں تصنیف کیں اور ایک رسالہ **"مقاصد الاسلام"** جاری کیا جو بلا تعین وقت شایع ہوتا تھا۔

بعض مذاہب کے علم برداروں نے اسلام اور حنفی فقہ پر اعتراضات کئے تھے جن کے جوابات مولانا نے ان ضخیم کتابوں کی صورت میں شایع کئے ہیں چنانچہ **افادۃ الافہام** مرزا غلام احمد قادیانی کے جواب میں لکھی گئی اور مرزا اس کا جواب نہ دے سکے۔

حقیقۃ الفقہ یہ کتاب دو حصوں میں ہے۔ فرقہ اہل حدیث کے عقائد کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ ابتدا میں مولانا نے فقہ کی تاریخ بتلائی ہے اور اس کی تدوین میں فقہا نے جو زحمتیں برداشت کی ہیں انکو گنایا ہے جس سے فقہ پر عاید ہونے والے الزامات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

الکلام المرفوع فیما یتعلق بالحدیث الموضوع اس میں جمع احادیث، واہلیت راوی، وحقیقت محدثین وفقہاء وحفظ اسناد وغیرہ سے بحث فرمائی ہے۔

خدا کی قدرت یہ ایک مختصر منظوم رسالہ ہے جس میں آپ نے ثابت کیا ہے کہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام سے استمداد کی جا سکتی ہے۔

رسالہ "خلق افعال" اس میں حق تعالیٰ کا خالق افعال ہونا ثابت کیا گیا ہے اور فرقہ معتزلہ اور قدریہ کے اعتراضات کے جوابات فلسفیانہ طرز میں دے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ حسب ذیل کتابیں بھی لکھیں۔

۱۔ **رسالہ انوار اللہ فی مسلۂ وحدۃ الوجود** ۲۔ **رسالۂ انوار اللہ (حج)**
۳۔ **رسالہ اہل حدیث** ۴۔ **رسالہ البشریٰ الکرام** (میلاد شریف کو محققانہ حیثیت سے ثابت کیا ہے) ۵۔ **کتاب التوحید**۔ نفس توحید کے مسائل کو واضح کیا گیا ہے۔
۶۔ **کتاب العقل** اس کتاب میں یہ بتلایا گیا ہے کہ انسانی عقل خواہ اس کا معیار کتنا ہی بلند ہو غلطی کی ضرور مرتکب ہوتی ہے۔
۷۔ **انوار احمدی**۔ یہ قیام مدینہ منورہ کے زمانہ میں لکھی گئی ہے مولانا کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب نے اس پر ایک تقریظ بھی لکھی ہے

مولانا بحیثیت شاعر مولانا کہنہ مشق شاعر نہ تھے لیکن جذبات کے اظہار کا (جو تصوف میں ڈوبا ہوا ہو)۔ بہترین ذریعہ اشعار ہیں اور اسی بنا پر وہ مجبوراً شعر کہتے تھے آپ کا کلام شمیم الانوار کے نام سے شایع ہو چکا ہے لیکن ان میں اشعار کی تعداد بہت کم ہے زیادہ اشعار جن میں غزلیں وغیرہ شامل ہیں فارسی ہیں مولانا نے عرفی کے قصیدہ حمد کی طرز میں خود بھی ایک حمد اسی بحر و وزن میں لکھی ہے۔ جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

اے ہوایت طرح رنگِ کن فکاں انداختہ
طبع عشق اندر ہیولائے جہاں انداختہ

در سرشتِ مہوشاں سرمدی اندر ازل | رنگِ نیرنگِ تجدد از زماں انداختہ
اے کہ عشقت شد فرد کش ہر کجا کاندر وجود | عقل را بیرونِ سرحد موکشاں انداختہ
بر درِ گنجینۂ اسرار و خلوت گاہِ خویش | قفلِ وسواس از خیالِ این و آں انداختہ

غزلوں سے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں

مہر و نجوم پر ضیا عکسِ جمالِ یارِ من | در ہمہ چیز بر ملا عکسِ جمالِ یار من
در دل و دیدہ و نظر در ہمہ چیز جلوہ گر | در خور و ماہ تا سما عکسِ جمال یار من

ہر کسے را با تو رازے دیگرے | ناز و انداز و نیازے دیگرے
شمع آسا دمیدم عشاق را | میرسد سوز و گدازے دیگرے
ہست صناعیکہ صنعش می دہد | ہر عدم را امتیازے دیگرے
عاشقاں را دربیانِ رازہاست | ہر حقیقت را مجازے دیگرے

اردو

شرک ہر چند بر ملا تو نہیں | دیکھو دل میں وہ چھپ گیا تو نہیں
دل ٹھکانے نہیں ہے کیا باعث | وہ کسی زلف میں پھنسا تو نہیں
خود سر دل کے وہ تھے کہتے ہیں | وہ ہمارا ہی ماجرا تو نہیں
دل کو وہ توڑتے ہیں یہ کہہ کر | بتکدہ خانۂ خدا تو نہیں
پھر سوئے کعبے چلا ہے دل | دیکھئے اس میں کچھ دغا تو نہیں

جوانی جاتے ہی ہردم خدایا دآنے لگتا ہے | پئے سجدہ ہوئے جاتے ہیں خم آہستہ آہستہ
کڑی ہیں منزلیں ہر چند راہ عشق کی لیکن | بڑھا جاتا ہے رہرو کا قدم آہستہ آہستہ
نظر جب دور بیں ہونے لگے آثار قدرت میں | تو دل ہو جائیگا خود جام جم آہستہ آہستہ

دیکھئے جس کو ہے بس ناموری کا پابند | ہے وہ عنقا جو ہو خلقت سے جدا نام سے دور
سیر عارف کی بداہت ہے نہایت کا مقام | دائرہ میں نہیں آغاز ہے انجام سے دور

قاضی محمد امیر اللہ مولانا محمد شجاع الدین کے دوسرے بیٹے قاضی محمد امیر اللہ بھی لایق وقابل تھے اور آپکی کتابیں اس بات کا ثبوت دیتی ہیں کہ آپ کو تصوف وسلوک میں بھی کافی دخل تھا۔ آپ کی پہلی کتاب "مناقب شجاعیہ" ہے جو ۱۳۰۷ھ میں مطبع شمس محمدی میں طبع ہوئی۔ یہ بڑی تقطیع کے ۱۴۰ صفحات کی کتاب ہے جسمیں "مولوی حافظ میر شجاع الدین حسین قدس سرہٗ (مصنف کشف الخلاصہ) اور آپ کے مرشد مولانا رفیع الدینؒ کے احوال اور کرامات اور سلسلۂ قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ اور رفاعیہ کے بزرگوں کے احوال اور کئی تاریخی مفید واقعات" قلمبند کئے گئے ہیں کتاب کو پانچ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب سلاسل علیہ میں جو کہ حضرت مولانا میر شجاع الدین حسین قدس سرہٗ کو مولانا شاہ رفیع الدینؒ سے پہنچے۔
باب دوم بسلسلہ نسب ایام طفولیت، سفر حج وبیعت وغیرہ باب سوم۔ تصانیف، غزلیات، قصائد ومکاتیب وغیرہ۔ باب چہارم۔ راجہ شنبھو پرشاد کا ابتدائی حال اور انکا مشرف باسلام ہونا۔ غلام مرتضیٰ کمندان کا مسلمان ہونا اور حضرت کے کرامات اور خرق عادات وغیرہ۔

باب پنجم۔ اُن کرامتوں کے بیان میں جو بعد وصال ظہور میں آئیں ۔

حافظ میر شجاع الدین صاحب قدس سرہٗ برہان پور سے حیدرآباد تشریف لائے تھے۔ اور یہاں تحصیل علم کیلئے مولانا شاہ رفیع الدینؒ کے پاس قندھار پہنچے ان سے بیعت کی اور خرقۂ خلافت حاصل کر کے حیدرآباد واپس ہوئے ۔ اور جامع مسجد میں اپنے درس تدریس کا سلسلہ شروع کیا اس وقت جامع مسجد کی جو حالت تھی مصنف "مناقب شجاعیہ" اس طرح لکھتے ہیں ۔ "صحن مسجد میں تو مغل صاحب صوبہ کا ہاتھی باندھا جاتا تھا اور مسجد کے اندر عماری ہودہ میانہ پالکی رکھی جاتی تھی گویا رفودخانہ تھا اور حوض میں کرڑبی خوراک ہاتھی رکھتے تھے۔ جو کچھ جماعتیں حضرت کی برکت سے ہوتے ایک کونے میں مسجد کے ہوتے تھے ورنہ قبل تشریف فرمائی حضرت کے اس مسجد میں برابر نمازیں بھی ادا نہیں ہوتے تھے۔

حضرت کی بزرگی کی شہرت بلدہ میں ہوگئی تھی اور نواب شمس الامرا بہادر کو بھی آپ سے عقیدت ہوگئی تھی۔

نواب عزت یار خاں بہادر صدر الصدور نے روبرو نواب میر الملک اور راجہ چندو لعل کے آپکی فضیلت اور بزرگی کا جب تذکرہ فرمایا تو نواب معزا اور راجہ صاحب کو آپ سے ملاقات کرنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ ایک بار نواب معزا اور راجہ صاحب یہ دونوں جامع مسجد میں حضرت قدس سرہٗ کی ملاقات کو آئے ۔ اور مسجد کی حالت دیکھ کر اسی وقت صوبہ صاحب کو مسجد کے صاف کرنے، اسباب اٹھانے اور ہاتھی نکالنے کا حکم دیا۔ چنانچہ صوبہ صاحب نے تمام اسباب مسجد سے اٹھالیا اور مسجد، صحن،

حوض وغیرہ کو صاف و درست کردیا۔ نواب منیر الملک بہادر نے رخصت ہوتے وقت حضرت قدس سرہٗ سے عرض کی کہ اگر منظور والا ہو تو مدرسہ میں حجرہ تیار کرادوں آپ نے منظور فرمایا۔ نواب معزز نے چوبینہ وغیرہ اپنی بارہ دری کی تعمیر سے جو اس وقت ہوتی تھی روانہ کرکے مدرسہ میں حجرے بنادیئے۔ بعد چند روز کے مدرسہ کا رخ جو کہ غرب رو تھا مشرق رخ جس طرح اب ہے کر دیا گیا۔"

حضرت حافظ شجاع الدینؒ کے کرامات کے سلسلہ میں قاضی صاحب نے ایک واقعہ اسطرح لکھا ہے۔

"ایک عرب بغداد شریف سے وارد بلدہ ہو کر اتفاقاً جب حضرت سے ملاقات کئے تو آپ سے اپنی سابق کی ملاقات کی شناخت اس طرح بیان کی کہ ایک روز بغداد سے میں کاظمین کو جاتا تھا جب بقصد زیارت حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے قبہ شریف میں داخل ہونا چاہا تو آپ اس وقت اندر سے باہر نکلے اس جگہ آپ سے ملاقات کیا ہوں۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا کہ میں تو بغداد کبھی نہیں گیا جو آپ سے ملاقات ہو مگر وہ عرب اسی طرح یقین کو ترجیح دیتے رہے اس پر حضرت آبدیدہ ہو کر فرمائے کہ اس کی توجیہہ آپ کو یوں کہہ سکتا ہوں کہ میں ان دنوں فقہ حنفی میں ایک رسالہ مسمی "کشف الخلاصہ" لکھا تھا۔ شاید اس کی مقبولیت کا باعث ہوگا جو میری سعی حضرت امامؒ کے نزدیک مقبول ہوئی جس کی وجہہ سے میری شبیہ کو حضرت نے معاینہ کروادیئے ورنہ میں بغداد کو کبھو نہیں گیا ہوں۔"

قاضی امیر اللہ صاحب کی دوسری تصنیف ایک مختصر رسالہ موسوم بہ "فوائد مفیدہ"

جس میں "ارباب ولایت و اصحاب کرامت کے مبارک اقسام جو کہ اس امت مرحومہ میں تا قیام قیامت عالم پر یا ہوں گے" بتلائے گئے ہیں۔ یہ رسالہ بھی ۱۳۰۰ھ میں مطبع خیرخواہ دکن سے طبع ہوا ہے۔

شجرہ کے ملاحظہ سے واضح ہوگا کہ برہان الدین اول کے دو بیٹے تھے۔ علاء الدین اور بدرالدین۔ جس میں اول الذکر صاحب سند اور مسند قضاۃ کے مالک ہوئے۔ بدرالدین کو کوئی خدمت نہ تھی۔ لیکن مسند قضاۃ بدرالدین کے بیٹے سراج الدین ثانی داماد مولانا شاہ رفیع الدینؒ کے ہاتھ آگئی اور ان کے پہلے فرزند غلام علی کی اولاد کا سلسلہ ان کے پوتے پر ختم ہوجانے سے مولانا انوار اللہ مسند قضاۃ کے مالک ہوئے لیکن وہ ان مخصوص سے آزاد رہنا چاہتے تھے اس لئے اپنی زندگی ہی میں اپنے چھوٹے بھائی قاضی امیر اللہ کو مسند قضاۃ کا مالک بنایا۔ چونکہ خود مولانا کے بھی کوئی اولاد ذکور نہ تھی قاضی امیر اللہ ہی اس کے حقدار تھے۔ قاضی موصوف نے ۱ار رمضان ۱۳۵۵ھ میں انتقال کیا ان کے دو فرزند حکیم محمد عبدالقادر صاحب اور محمد عبدالغفور صاحب موجود ہیں اول الذکر قاضی قندھار اور مددگار صدر شفاخانہ یونانی سرکار عالی ہیں

قاضی علاء الدین اور ان کی اولاد

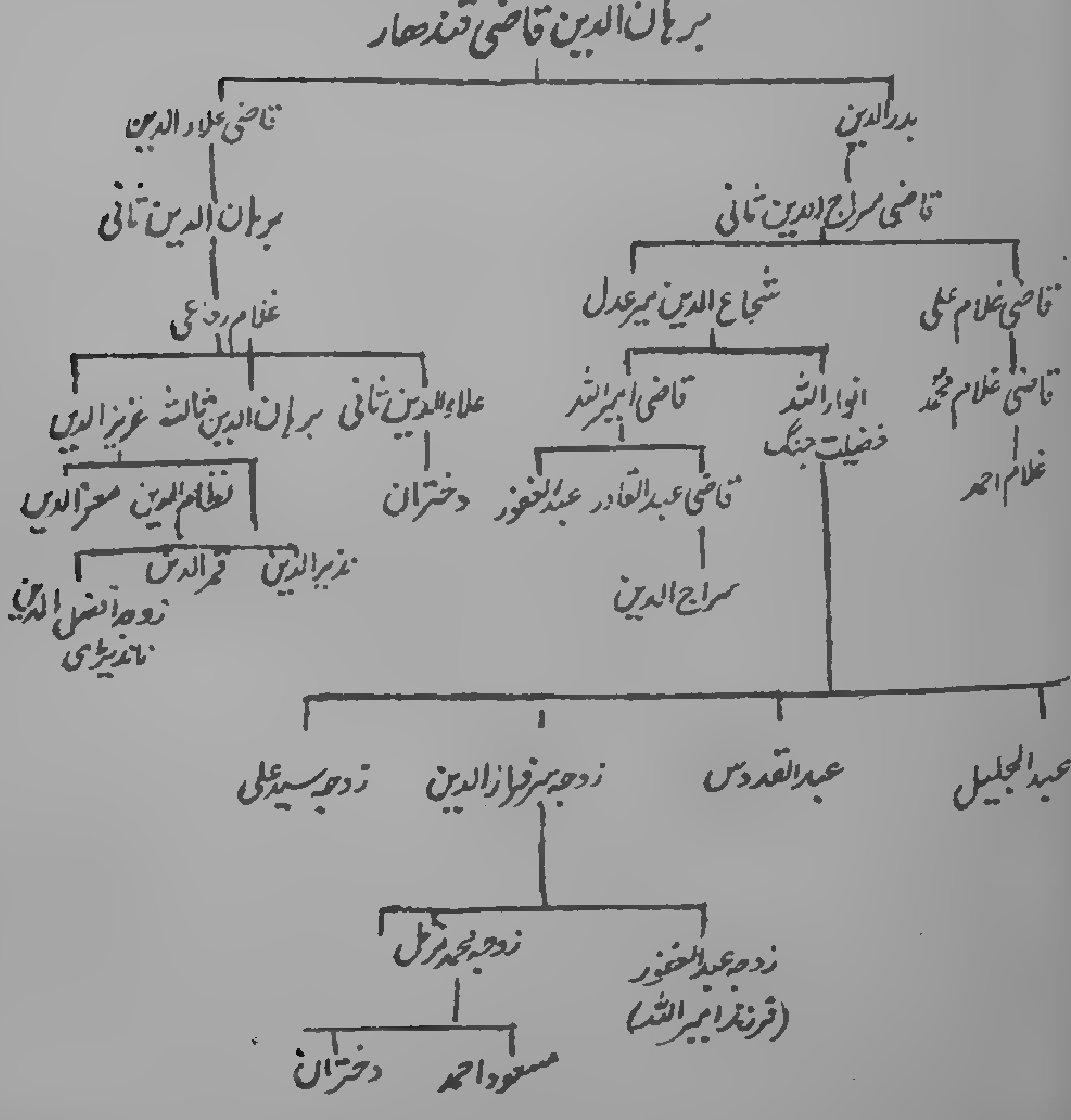
قاضی برہان الدین اول کے پہلے فرزند علاءالدین تھے اور انکے فرزند برہان الدین ثانی تھے جنھیں شاعری سے دلچسپی تھی ان کا دیوان یا جو کچھ سرمایہ شاعری ہے ان کی اولاد میں مولوی نذیر الدین صاحب کے پاس محفوظ ہے۔

برہان الدین ثانی کے فرزند غلام رفاعی تھے جن کے تین لڑکے ہوئے۔ علاء الدین ثانی برہان الدین ثالث اور عزیزالدین۔ اول الذکر کی دو لڑکیاں تھیں جو ادگیر کے خاندان قضاۃ میں بیاہی گئیں۔ برہان الدین ثالث کی ایک لڑکی زوجہ افضل الدین موجود ہے اور پہلے فرزند نذیر الدین صاحب ہیں جنکے پاس خاندانی کتب کا کچھ ذخیرہ ہے دوسرے فرزند قمر الدین صاحب ہیں جنھوں نے جامعہ عثمانیہ

سے بی ۔ اے کی ڈگری حاصل کی ہے۔ حبیب اللہ صاحب بیابانی وکیل ہائیکورٹ و معاشدار
تعلقہ انبڑ کی دختر نذیر الدین صاحب سے منسوب ہے ۔

غلام رفاعی کے تیسرے فرزند عزیز الدین تھے جنکی شادی احمد پور کے خاندان قضاۃ میں
ہوی ان کے دو فرزند نظام الدین اور معزالدین موجود ہیں ۔

شجرہ خاندان مولانا انوار اللہ خاں فضیلت جنگ مرحوم



چھٹی فصل

خطیبانِ قندھار

قندھار شریف کے خطیبوں کا سلسلۂ نسب بھی شیخ احمد قاضی احمد نگر تک پہنچتا ہے جنکو خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ستائیسواں واسطہ تھا۔ انکا تذکرہ حضرت مولانا رفیع الدین کے اجداد کے بیان چوتھی فصل میں کیا جا چکا ہے۔ اصل میں مولانا صاحب اور قاضیاں و خطیبانِ قندھار سب ہم جد ہیں۔ پہلے اس امر کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ قاضی تاج کے دو فرزند تھے سراج الدین اور شمس الدین۔ موخر الذکر کے فرزند مولانا شاہ رفیع الدین اور اول الذکر کے دو فرزند ۱۔ برہان الدین ۲۔ جلال الدین۔ پانچویں فصل میں برہان الدین کی اولاد یعنے قاضیانِ قندھار کا تذکرہ گذر چکا ہے۔

محمد جلال الدین قاضی سراج الدین کی دوسری بیوی غلام حسین محتسب پالم کی ہمشیر تھیں ان کے بطن سے محمد جلال الدین پیدا ہوئے جنکو اپنے والد سے خطابت قندھار ملی کیونکہ وہ قضاوت اور خطابت دونوں خدمات رکھتے تھے۔ انکی زوجہ غلام حسین محتسب پالم کی دختر تھیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس خاندان میں اکثر پالم ہی کی لڑکیاں آئیں۔

جلال الدین کو چار فرزند اور ایک دختر تھی جو تاج الدین قاضی پیٹھ سے منسوب ہوئیں۔ ان سے ایک فرزند قاضی فصیح الدین اور دو دختر تولد ہوئیں جنمیں ایک مولانا شاہ بدیع الدین رفاعی سے منسوب ہوئیں اور دوسری سید محمد صاحب عرف منجھلے صاحب نانڈیڑی سے اول الذکر سے دو لڑکے

صاحب عالم سید عنایت اللہ حسینی شہید اور سید ہدایت اللہ حسینی صاحب اور ایک دختر زوجہ امین الدین محتسب قندھار پیدا ہوئیں ۔ ان سب کی اولاد اسوقت موجود ہے اور اسکا تذکرہ تیسری اور ساتویں فصلوں میں مندرج ہے ۔

جلال الدین صاحب کی دوسری نواسی کو ایک فرزند سید فتح اللہ صاحب اور ۲ دختراں تھیں جن میں سے ایک سید عبد اللہ صاحب مشائخ کلمبر اور دوسری محمد صدر الدین برادر قاضی راجورہ سے منسوب ہوئیں ۔ فتح اللہ صاحب کے فرزند محبوب میاں صاحب ناندیڑ میں موجود ہیں ۔

محمد جلال الدین کے چار فرزندوں افضل الدین، تاج الدین، معین الدین، اور آصف الدین میں سے صرف معین الدین صاحب کی اولاد جاری رہی باقی لاولد فوت ہوئے ۔

محمد معین الدین معینؔ | جلال الدین صاحب کے تیسرے فرزند تھے انکو ۹ رجادی الاول ۱۲۷۴ھ میں سند خطابت ملی تھی بڑے عالم و فاضل، خوشنویس اور شاعر تھے اس زمانہ میں مطابع نہ تھے ان کی ہاتھ کی لکھی ہوی کتابوں اور خاص کر قرآن مجید کی بڑی قدر تھی چنانچہ اکثر اصحاب کے پاس اب تک موجود ہیں ۔ یہ معینؔ تخلص کرتے تھے بلدہ حیدرآباد کے اکثر امراء مثلاً حسن منور خاں نواب متہور الملک اول تعلقدار اطراف بلدہ و محمد صرفخاص وغیرہ انکے شاگرد تھے صاحب باطن اور ذاکر و شاغل بھی تھے مولوی حافظ شجاع الدین صاحب نے خلافت و اجازت عطا کی تھی ۔ ان کی زوجہ محمد رکن الدین محتسب پالم کی دختر تھیں ۔ انکو تین فرزند اور ایک دختر تھیں جو قاضی غلام محمد (فرزند قاضی غلام علی) سے منسوب ہوئیں ۔ حضرت معینؔ کے فرزند قطب الدین، فیاض الدین اور رحیم الدین تھے موخر الذکر کی اولاد موجود ہے ۔ جس کا ذکر بعد میں کیا جائیگا

حافظ حاجی محمد قطب الدین قطب یہ بڑے فرزند او رخطیب قندھار تھے صاحب علم و فضل اور بافیض بزرگ تھے۔ قندھار شریف میں عربی و فارسی کی متعدد اصحاب کو تعلیم دی اور اہل قندھار کی صلاح و فلاح کے لئے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ عیدگاہ قندھار کی بہت کچھ تعمیر و ترمیم کی۔ مسجد شاہ قرار کو آباد کیا۔ اسکا صحن اور تالاب کی دیوار کو پختہ بنوایا۔ تالاب کے اکثر گھاٹوں کی درستی کی مسجد شاہ قرار ہی کے قریب ایک سرائے بنوائی جس سے مسافروں کو اب تک آرام ملتا ہے۔ برادری و غیر برادری کے اصحاب نیز عام غریبوں کے معاش کیلئے معقول انتظامات کئے۔ مسدود معاشوں کو اپنی سعی و کوشش سے بحال کرایا۔ ان کی فطرت میں قومی ہمدردی بہت تھی۔ غیر مذاہب والوں کی بھی ہمدردی کرتے تھے۔ شاعر بھی تھے قطب تخلص تھا۔ ان کے نکالے ہوے مادہائے تاریخ مشہور ہیں۔

محمد قطب الدین صاحب کو اپنے پھوپی زاد ہمشیر کے دونوں فرزندوں صاحب عالم سید عنایت اللہ حسینی اور سید ہدایت اللہ حسینی سے خاص محبت تھی۔ چنانچہ اول الذکر کو قندھار سے بلدہ لاکر تعلیم دلوائی۔ اور ہر طرح انکی نگہداشت کی۔ اگرچہ یہ دونوں ان کے حقیقی بھانجے نہ تھے مگر ان کے ساتھ آخر تک ہمدردی کرتے رہے۔ ۱۳۲۱ھ میں فریضۂ حج کے لئے روانہ ہوئے جب قندھار واپس ہوے تو دوسرے ہی روز یعنے ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ کو انتقال کیا۔ ان کی زوجہ غلام حسینی جاگیردار و مشائخ نیکنور تعلقہ بیڑ کی دختر تھیں اپنے برادر نسبتی شاہ ضیاء الدین جاگیردار و مشائخ نیکنور سے حافظ قطب الدین صاحب کو بڑی محبت تھی چنانچہ ان کی عمر کا بڑا حصہ انکی ہمدردی اور صحبت و محبت میں گذرا شاہ ضیاء الدین صاحب

کی اور ایک بہن تھیں جو غلام انبیاء صاحب نبیرہ مولانا شاہ رفیع الدین سے منسوب تھیں ضیاء الدین صاحب کے چھ فرزند ہوئے۔ بشیر الدین ۲۔ چاند پادشاہ ۳۔ احمد بادشاہ۔ ۴۔ عبید اللہ۔ ۵۔ غلام محی الدین ۶۔ کلیم اللہ موخر الذکر کی زوجہ ریاست بیگم صاحبہ رفاعی بیگم قندھاری کی دختر تھیں انکے تین صاحبزادے اسوقت موجود ہیں۔ خواجہ محی الدین صاحب وکیل محمود احمد صاحب بی۔ اے۔ ال ال۔ بی اور رفیع الدین صاحب۔ ضیاء الدین صاحب کے چوتھے فرزند عبید اللہ صاحب قاضی صدیق احمد صاحب نہیمؔ کے داماد تھے ان کا تذکرہ ضمیمہ میں شامل ہے۔

افسوس ہے کہ حافظ حاجی قطب الدین صاحب خطیب نے لاولد انتقال کیا۔ اور ان کی یادگار صرف انکے تعمیری کارناموں سے جاری رہیگی جو انہوں نے قندھار اور اہل قندھار کیلئے انجام دیئے۔

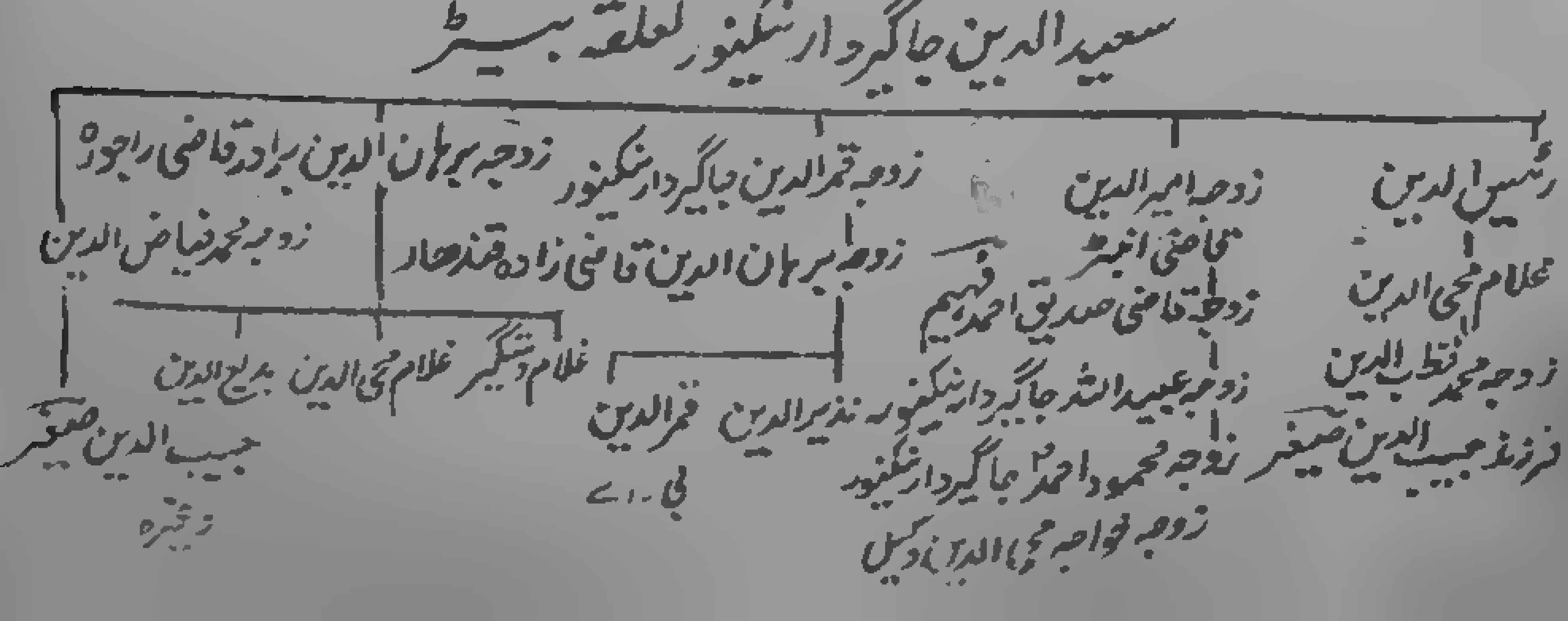
محمد رحیم الدین | محمد معین الدین کے چھوٹے فرزند تھے۔ انکے ایک فرزند اور چار لڑکیاں تھیں۔ ایک دختر حضرت صاحب عالم سید عنایت اللہ حسینی شہید کی دوسری زوجہ تھیں جن سے لڑکیاں ہوئی تھیں مگر وہ اپنے والد کے ساتھ طغیانی رود موسیٰ میں نذر سیلاب ہوگئیں اب ان کی کوئی اولاد باقی نہیں۔

رحیم الدین صاحب کی دوسری دختر سید جلال الدین تاندیڑی کی زوجہ تھیں۔ ایک اور دختر محمد اکبر برادر قاضی بشیر کی زوجہ ہوئیں۔ چوتھی دختر خود ان کے بھتیجے محمد حبیب الدین صغیر کی زوجہ ہیں جن سے کئی فرزند اور دختراں ہیں جن کا ذکر آئندہ صفحات میں مندرج رہے گا۔

حاجی محمد فیاض الدین | محمد معین الدین معینؔ کے دوسرے فرزند اور حافظ قطب الدین صاحب

کے چھوٹے بھائی تھے۔ بڑے ہی عابد وزاہد اور شب بیدار تھے۔ بلدہ حیدرآباد محلہ مغلپورہ میں مسجد ساجدہ بیگم کے پیش امام تھے۔ جبر معاشی میں اپنی زندگی بسر کی ہمیشہ مسجد کی خدمت کیا کرتے تھے۔ محلہ بھر کے تمام امرا اور عام لوگ انکی بڑی عزت کرتے تھے۔ انکی پہلی زوجہ فصیح الدین قاضی بیڑ کی دختر تھیں۔ ان کے بطن سے ایک لڑکی ہوئیں جو مجاہد الدین انعامدار نا ندیڑ سے منسوب ہوئیں۔ انکے تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں۔ ایک فرزند محمد قمر الدین اس وقت موجود ہیں۔ دوسرے لڑکے احتشام الدین اور تیسرے محمد عبداللہ (داماد عبدالوہاب صاحب عندلیب برادر خطیب مومن آباد) کا انتقال ہوگیا۔

محمد فیاض الدین کی دوسری زوجہ محمد سعید الدین عرف مخدوم صاحب کی دختر تھیں۔ ان سے تین لڑکے موجود ہیں۔ ۱ حبیب الدین صغیر ۲۔ قادر محی الدین باطن اور محمد معین الدین ان تینوں کے نانا مخدوم صاحب حضرت جنیدؒ کی اولاد اور نکنور تعلقہ بیڑ کے جاگیردار تھے۔ انکے ایک فرزند رئیس الدین اور چار لڑکیاں ۱۔ زوجہ قاضی امیر الدین قاضی انبڑ ۲۔ زوجہ قمر الدین جاگیردار نکنور ۳۔ زوجہ برہان الدین برادر قاضی راجورہ اور ۴۔ زوجہ فیاض الدین قندھاری ان سب کے تعلقات اور اولاد اس شجرہ سے ظاہر ہوگی۔





مولوی محمد حبیب‌الدین صاحب صغیر خطیب
قندهار و مفتی بالم

حبیب الدین صغیر ۲۲ رجب ۱۳۰۱ھ جمعہ کے دن حیدرآباد کے مشہور محلہ مغلپورہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے تخلص صغیر ہی کے اعداد میں سنہ ولادت موجود ہے ان کے سوانح حیات اور کلام کے متعلق مرقع سخن میں تفصیل سے معلومات درج ہیں۔ ہم اسی سے یہاں چند اقتباسات درج کرتے ہیں۔ حضرت صغیر نے مدرسہ دینیہ (واقع مغلپورہ) میں فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں مولوی محمد احمد اللہ مولوی محمد علی، مولوی غلام محمد پنجابی، مولوی محمد حسین شاہ نوری، اور مولوی الہی بخش قابل ذکر ہیں۔

جب انکے تایا حافظ محمد قطب الدین خطیب قندھار نے ۱۳۲۲ھ میں لاولد انتقال کیا تو چونکہ صغیر ہی خاندان میں اولاد اکبر تھے اس لئے انہی کو خطابت ملی۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ انکے چچا اور خسر محمد رحیم الدین مفتی پالم (جنکے اولاد ذکور نہیں تھی) فوت ہوئے تو حضرت صغیر ہی فرمان خسروی کے بموجب پالم کے مفتی بھی ہو گئے۔

انکو بچپن ہی سے شعر و سخن کا ذوق ہے اور کیا تعجب ہے کہ یہ انھیں اپنے مشہور و معروف دادا سے ورثہ میں ملا ہو۔ انہوں نے پندرہ سال کی عمر ہی میں حضرت صوفی شمس الحق سجاد علی میکش تھانوی سے تلمذ حاصل کیا۔ اور آخر تک شفیق و مہربان استاد کی خاص توجہ سے بہرہ مند رہے۔ اسی طویل سلسلۂ تلمذ اور ہمیشہ خدمت میں رہنے کی وجہ سے انہوں نے حضرت میکش سے بیعت بھی کر لی تھی کیونکہ وہ ایک اعلیٰ پایہ شاعر ہونے کے علاوہ ایک صاحب دل اور باخدا فقیر بھی تھے اور انکے باطنی کیفیات سے اس عرصہ میں صغیر اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔ میکش کی نظر عنایت اور توجہ خاص کی بناء پر ان کے استاد اور مرشد حضرت میر امداد علی علوی

کی صحبتوں میں بھی حضرت صغیر کو اکثر رہنے کا موقع ملا تھا چنانچہ انہوں نے حضرت علوی کے مشاعروں میں بھی بارہا شرکت کی اور اپنا کلام سنایا تھا جسکو سنکر حضرت علوی اپنے شاگرد و جانشین یعنے حضرت میکش سے کہا کرتے کہ "میکش یہ تیرا شاگرد میرا شاگرد ہے"

بعد کو جب علوی اور میکش دونوں کا انتقال ہو گیا تو صغیر نے حضرت احمد کلیم خلیفہ حضرت سردار بیگ کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی۔ یہ بزرگ حضرت علوی کے پیر بھائی اور بڑے صاحب باطن تھے چنانچہ حضرت صغیر نے ان سے بھی بہت کچھ فیض باطن حاصل کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ تصوف و عرفان کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

ان صاحب دل اور روشن ضمیر بزرگوں کے فیضان صحبت کے علاوہ صغیر کو متعدد صاحبان ذوق اور اساتذۂ سخن مثلاً عصر حیدرآبادی داغ دہلوی، حبیب کنتوری، ظہیر دہلوی اور یاس حیدرآبادی وغیرہ سے بھی میل جول کا موقع ملا ہے۔ گذشتہ چالیس سال سے حیدرآباد میں شاید ہی کوئی بڑا مشاعرہ ہوا ہو جس میں صغیر شریک نہ رہے ہوں۔ آجکل بھی وہ مہاراجہ یمین السلطنت کے خاص مشاعروں میں برابر مدعو ہوتے ہیں اور اکثر شریک ہو کر اپنے خاص طرز سخن کی خوب داد حاصل کرتے ہیں۔

حضرت علوی (متوفی ۱۳۱۹ھ) اور حضرت میکش (متوفی ۱۳۲۲ھ) کی صحبت کا اثر حضرت صغیر کی طبیعت پر اس قدر گہرا پڑا ہے کہ انہوں نے صوفیانہ اور عارفانہ رنگ کے سوا دوسری طرز میں لکھنا ہی چھوڑ دیا۔ یہ امر انکے اساتذہ کی خاص خوشنودی کا باعث ہوا۔ اور انہی کی ہمت افزائی اور توجہ تھی کہ آجتک وہ اپنی طرز پر قائم ہیں اور غزلوں کے علاوہ

نظموں میں بھی اسکو پناہ رہے ہیں ۔

حضرت بیکش کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ تک صغیر نے اپنے بے تکلف دوست اور استاد بھائی حضرت کیفی سے بھی اپنے کلام میں مشورہ لیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ کیفی بھی اس زمانہ میں صوفیانہ اور عارفانہ رنگ کی طرف مائل ہو گئے تھے ۔

غرض ابتدا ہی سے حضرت صغیر نے ایسے ماحول میں نشو نما حاصل کی جو مجاز سے زیادہ عشق حقیقی کی رہنمائی کرنے والا تھا ماحول کے علاوہ خاندانی اثر اور پیشۂ خطابت کے فرائض وغیرہ بھی اس رنگ کے استحکام میں مدد و معاون ہوئے ۔ لیکن ان امور کی بنا پر وہ ایک نرے مذہبی شاعر ہی بن کر نہیں رہ گئے اور نہ ان کی شاعری منقبت نگاری نعت گوئی یا مرثیہ نویسی میں محدود ہو گئی ۔ اسکے برخلاف ان کے دیوان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مذہبیت اور وحدۃ الوجود پرستی کے جوش میں شعریت کا دامن کبھی اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑتے ان کا ہر شعر سلاست کا نمونہ سمجھا جا سکتا ہے ۔ انکی شاعری جہاں خاص خاص صاحبدل اصحاب کو لطف اندوز کر سکتی ہے اتنی عام فہم بھی ہوتی ہے کہ ہر شخص پر اس کے مطالعہ سے ایک خاص اثر ہوتا ہے ۔

حضرت صغیر کے طبعی انکسار اور فطری سعادت مندی و شرافت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ اب بھی کہا کرتے ہیں ——— "مجھے شعر کہنا علوی اور بیکش ہی کی غلامی کی وجہ سے حاصل ہوا" ان کی تمام غزلوں کے مقطعے بھی اسی جذبۂ استاد پرستی کے بہترین مظہر ہیں۔ وہ کبھی ان دونوں کی یاد اپنے دل سے بھلانا نہیں چاہتے ۔ ان کے ہر مقطعہ میں ان دونوں کا

نام موجود ہوتا ہے خواہ بحر چھوٹی ہو یا بڑی مگر دونوں نام ضرور آئیں گے۔ ان کی پوری غزل مطلع سے لیکر مقطع تک ایک ہی رنگ میں ہوتی ہے۔ اور بالعموم ہر شعر دوسرے شعر سے مربوط معلوم ہوتا ہے۔ انکے دو تین مقطع بطور نمونہ یہاں پیش کئے جاتے ہیں:۔

صغیر اشعار میں تیرے عجب کچھ لطف آتا ہے
یہ ہے احسان علوی کا اثر میکش کی صحبت کا

ہے صورت پرستی علوی و میکش نے دی ایسی
صغیر اب ہر گھڑی میری نظر رہتی ہے صورت پر

علوی و میکش کا تصور صغیر
راہبر راہِ خدا ہو گیا

حضرت علوی و میکش کا تو میں ذکر کروں
یہ غلط ہے کہ صغیر ان کو مری یاد نہیں

صغیر کے دیوان میں ہر ایک صنف سخن کے نمونے موجود ہیں لیکن ہر صنف میں تصوف ہی کا رنگ جھلکتا ہے۔ انہوں نے اس رنگ میں اتنی قادر الکلامی حاصل کرلی ہے کہ قصیدہ ہو یا غزل، رباعی ہو یا قطعہ، سہرا ہو یا تاریخ سب میں تصوف ہی تصوف ہوتا ہے۔ ان کے دیوان میں ایک ہزار سے زیادہ غزلیں مندرج ہیں۔ تقریباً تیس قصیدے، اور چند نظمیں بھی ہیں۔ تاریخی قطعات تو بے شمار ہیں۔ انہیں تاریخ گوئی میں کمال حاصل ہے اعلیحضرت آصفجاہ سابع خلد اللہ ملکہٗ کی ایک سالگرہ کی تقریب میں انہوں نے دو سو شعر کا ایک طویل قصیدہ لکھا تھا جس میں اعلیحضرت کی مذہبی خدمات کے تذکرہ میں ان تمام فرامین کو نہایت خوبی سے نظم کیا ہے جو مذہب سے متعلق نافذ ہوئے ہیں۔ اس قصیدہ کا ہر شعر سلیس، سادہ اور نصیحت آمیز ہے۔

کلام صغیر کا مجموعہ افسوس ہے کہ اب تک شائع نہیں ہوا۔ وہ نمائش اور شہرت سے کوسوں بھاگتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ شاعری انکا پیشہ نہیں ہے لیکن اگر یہ گنجینۂ معانی طبع ہو کر

منظر عام پر آجائے تو اہل ملک کو معلوم ہوگا کہ ہمارے شاعر تصوف و عرفان کے مضامین پر بھی کس درجہ کامیاب اور بلند مرتبہ شعر کہہ سکتے ہیں۔

شعر گوئی کے علاوہ صغیر نے حیدرآباد کے ذوق سخن میں اس طرح سے بھی اضافہ کیا ہے کہ وہ ہر سال حضرت علوی کی یاد میں ایک شاندار مشاعرہ کیا کرتے تھے۔ ان مشاعروں کا آغاز حضرت میکش ہی کی زندگی میں ہو چکا تھا۔ اسکے لئے محلہ منلپورہ میں ساجدہ بیگم صاحبہ کی مسجد میں نہایت وسیع پیمانہ پر انتظامات عمل میں آتے حضرت فیض کے مشاعروں کے بعد حیدرآباد میں اس پایہ کے اور کوئی مشاعرے نہیں تھے۔ ملک و بیرون ملک کے جملہ نامور شعراء اس میں حصہ لیتے اور ہر سال ایک عجیب چہل پہل رہتی۔ مشاعرہ کی یاد تازہ رکھنے کیلئے حضرت صغیر جملہ غزلوں کے انتخابات ایک گلدستہ "بزم رنداں" میں شائع کرتے۔ اس گلدستہ کو وہ کئی سال تک خاص اہتمام اور محنت و توجہ سے مرتب کرتے اور چھپواتے رہے۔ "گلدستہ فیض" کی طرح "بزم رنداں" بھی حیدرآباد کے گذشتہ دور شعر و سخن کا ایک مفید اور دلچسپ مظہر ہے اسکے مطالعہ سے اس زمانہ کے شعرائے حیدرآباد کے رنگ اور انکی نسبت معلومات حاصل ہوتے ہیں۔ اس نے بھی یہاں کی ادبی فضا کی نشو نما میں حصہ لیا ہے۔ اسکی ترتیب و تہذیب میں صغیر اس سلیقہ اور خوش اسلوبی کو ملحوظ رکھتے تھے کہ وہ بہت جلد مقبول ہو جاتا تھا۔

غرض آپنے اپنی حد تک حیدرآباد میں اردو شعر و سخن کے فروغ اور اس میں سنجیدہ عنصر کو برقرار رکھنے میں کافی حصہ لیا ہے اور اپنے ہمعصروں میں خاص عزت اور وقعت

کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ حال ہی میں ان کے فرزند محمد قطب الدین کی شادی میں حیدرآباد کے اکثر شعرائے باکمال کے علاوہ مہاراجہ سرمین السلطنت کشن پرشاد بہادر صدر اعظم سرکار عالی بھی تشریف فرما ہوئے تھے اور محفل عقد ایک دلچسپ بزم مشاعرہ بن گئی تھی

حضرت صغیر کے کلام کی خصوصیات اور اسکا وافر نمونہ مرقع سخن میں ابوالخیر سید شاہ ابراہیم حسینی صاحب نے پیش کیا ہے یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ ان کے کلام پر ایک مبسوط نظر ڈالی جائے اسلئے چند اشعار غزلوں کے اور نظموں کے بھی دو دو انتخابات یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

انتخاب نظم کتخدائی ڈاکٹر عبدالحق صاحب پروفیسر عربی جامعہ عثمانیہ

ہے عجب پر لطف و پر معنی بیانِ زندگی
ہے عجب دل چسپ طرز داستانِ زندگی

آج جسکو کہہ رہا ہے سارا عالم بخت و فوق
ہے زمینِ زندگی۔ ہے آسمانِ زندگی

اونکا اسپ زندگی ٹھوکر نہیں کھاتا کبھی
جنکے قابو میں ہمیشہ ہے عنانِ زندگی

عقد ہے دراصل باغ زندگی کی تازگی
عقد ہی تو ہے بہار بوستانِ زندگی

اوسکی اچھی زندگی ہے جس سے خوش ہوں گھر کے لوگ
گھر کا مالک ہے امیرِ کاروانِ زندگی

مغرب و مشرق کی طرز زندگی میں فرق ہے
ہر جگہ کی ہے الگ اک داستانِ زندگی

شوہر مشرق کا اگر ہو زوجہ مغرب سے عقد
عمر بھر ویران رہے گا وہ مکانِ زندگی

آج عبدالحق پروفیسر کی شادی ہو گئی
ان پہ اب کھل جائے گا رازِ نہانِ زندگی

عقد ہے دراصل درس زندگی کی ابتدا
اب نہیں، دنیا پڑیگا امتحانِ زندگی

اہل بزم عقد شکر ہو گئے خوش اے صغیر
خوب ہی دلچسپ ہے یہ داستانِ زندگی

سہرا بتقریب کتخدائی دختر مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ

مختلف پھول بہم ہو گئے مل کر سہرا   شان کثرت میں بھی وحدت کا ہے مظہر سہرا

چشم حق بیں سے جو دیکھو تو نظر آتا ہے   گلشن سر حقیقت ہے سراسر سہرا

راز سربستہ ہے اس سہرے کے غنچوں میں نہاں   گوش دل ہو تو بیاں کرتا ہے کھل کر سہرا

اس کے رشتہ کو ہے کچھ رشتہ جاں سے رشتہ   ہر نفس ہوتا ہے شاداب جو رخ پر سہرا

دیکھنے آیا ہے خود آپ ہی اپنے جلوے   ڈال کر صورت انسان کا وہ رخ پر سہرا

نور کا پتلا ہے اک۔ خاک کے اس پتلے میں   جس طرح دیکھئے ہے سہرے کے اوپر سہرا

خود نمائی کا ہوا شوق تو ڈالا اس نے   اپنے رخ پر میری صورت کا بنا کر سہرا

مجھکو بے پردہ کیا۔ پردہ نشیں خود بنکر   آپ نوشاہ بنا۔ مجھکو بنا کر سہرا

دختر شاد حق آگاہ کا ہے آج نکاح   میں بھی لایا گل عرفان کا بنا کر سہرا

حضرت علویؒ و مسکینؒ کی توجہ سے صغیر   آج لایا ہوں نئے رنگ میں لکھکر سہرا

متفرق اشعار

پوشیدہ جس طرح سے ہے آواز ساز میں   دیکھو نہاں ہے شان حقیقت مجاز میں

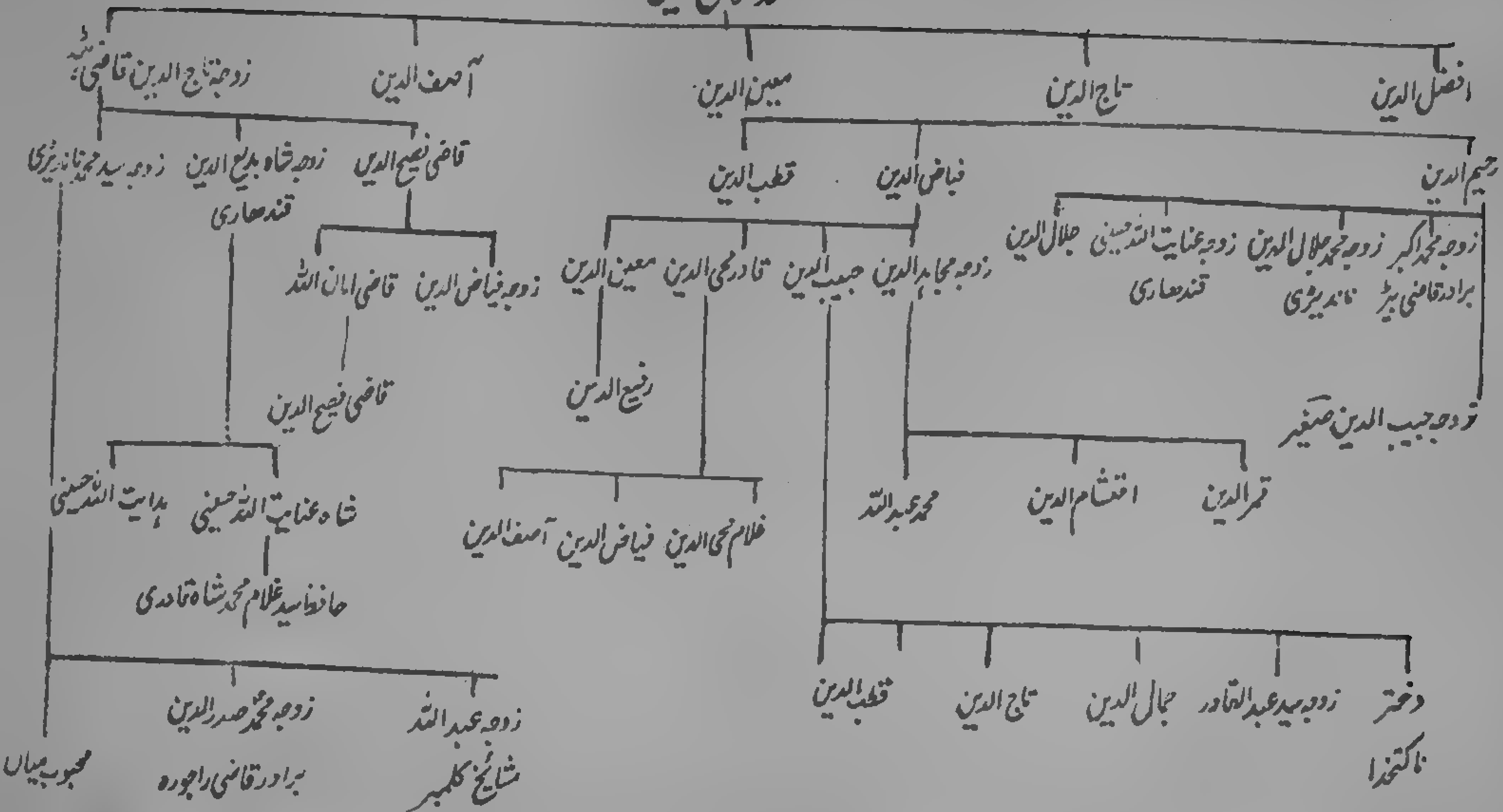
بے مثل تم اگرچہ ہو انداز و ناز میں   میں بھی تو لاجواب ہوں عجز و نیاز میں

کرتے ہیں جسکو سجدہ ادا سے دیکھتے نہیں   کیا خاک لطف آئے ہمیں پھر نماز میں

تیرے حجاب ہی میں تو ہیں بے حجابیاں   افشائے راز مخفی ہے اخفائے راز میں

تو اپنا آپ عاشق و شیدا ازل سے ہے   تیرے سوا ہے کون تری بزم ناز میں

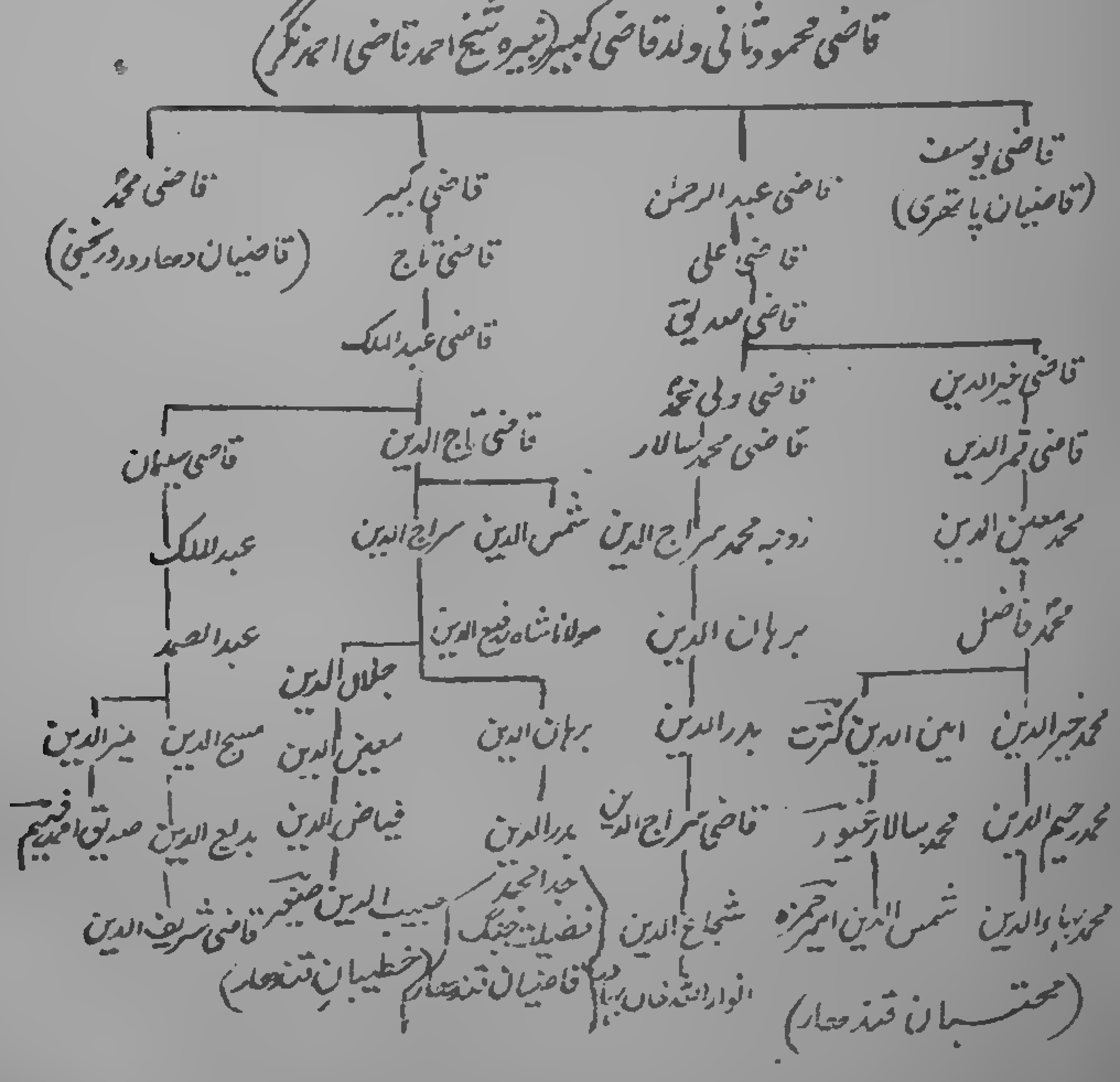
شجرہ خطیبان قندھار



ساتویں فصل

محتبان قندھار

گذشتہ تین فصلوں میں قندھار کے قاضیوں اور خطیبوں نیز مولانا شاہ رفیع الدین کے اجداد کے بیان میں محتبان قندھار کا سلسلۂ نسب بھی لکھا جا چکا ہے۔ یہاں صرف اس امر کی طرف اشارہ کافی ہے کہ محتبان قندھار بھی قاضی شیخ احمد قاضی احمد نگر ہی کی اولاد سے ہیں انکا سلسلۂ نسب تذکرہ بالا خاندانوں سے اسطرح ملتا ہے۔



قاضی عبدالرحمٰن قاضی محمود ثانی کے دوسرے فرزند قاضی عبدالرحمٰن اصل میں قاضی قندھار تھے لیکن ان کی اولاد میں قاضی قمرالدین اور قاضی محمد سالار کے بعد منصب قضاءت قاضی کبیر کی اولاد میں منتقل ہو گئی۔ اور قاضی عبدالرحمٰن کی اولاد صرف منصب احتساب پر فائز رہی۔ قاضی عبدالرحمٰن نظام شاہی عہد میں تھے۔ ان کے فرزند قاضی علی کو ۱۰۲۴ھ میں موضع ہڈلی کی قضاءت اور جاگیر ملی اس وقت شاہ محمد قندھار کے قلعدار تھے۔ انکے فرزند قاضی صدیق تھے جنکے کاغذات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسوقت قندھار پر ملک عنبر کا اقتدار تھا۔ ان کے دو فرزند تھے۔ قاضی ولی محمد اور قاضی خیرالدین۔

قاضی ولی محمد اور قاضی خیرالدین یہ دونوں بھائی بموجب فرمان شہنشاہ دہلی مرقوم ۱۰۷۹ھ منصب قضاء و احتساب قندھار سے سرفراز ہوے۔ اور علحدہ قاضی خیرالدین کے نام فرمان خدمت قضاءت و خطابت پرگنہ ساڑباڑ (عثمان نگر) بھی ۱۰۷۹ھ میں عطا ہوا۔ قاضی ولی محمد کے دو بیٹے تھے۔ محمد سالار اور محمد امان اللہ۔ اول الذکر قاضی ہوئے لیکن انکو اولاد نرینہ نہ تھی اس لئے ان کے داماد قاضی سراج الدین (جو قاضی کبیر کی اولاد سے اور قاضی محمد سالار کے ہم جد تھے) کے خاندان میں قضاءت قندھار منتقل ہو گئی جو اب تک باقی ہے۔

قاضی خیرالدین کی اولاد ان کے پانچ فرزند ہوے۔ ۱۔ قاضی امین الدین ۲ قاضی بدیع الدین ۳۔ قاضی قمرالدین ۴۔ نصیرالدین ۵۔ نجم الدین۔ باپ کے بعد امین الدین قاضی اور قمرالدین خطیب قضاءت ساڑباڑ پر قابض ہوئے اور اب تک ان کی اولاد عثمان نگر میں اپنے آبائی معاش پر قابض ہے۔ خیرالدین کے دوسرے بیٹے بدیع الدین کے نام پر قضاءت قندھار ہوئی

ان کے انتقال پر قمر الدین اور محمد سالار فرزند قاضی ولی محمد کے نام پر بالاشتراک بحال ہوئی انہی ایام میں جگتیا ڈاکو نے قندھار پر حملہ کیا اور اولاد قاضی خیر الدین کی خانہ بربادی ہوگئی۔ اس خاندان کے بقیۃ السیف افراد سخت پریشانی میں مبتلا تھے۔ اور سند قضاوت بجز سفر دہلی حاصل ہونی ممکن نہ تھی۔ سوائے اسکے کل قدیم اسناد او رفرامین قاضی محمد سالار کی بیوی کے پاس تھے انہوں نے اپنے داماد محمد سراج الدین کے تفویض کر دیئے۔ اور ایسے نازک وقت میں قضاوت قندھار پر دوسرے غیر شخص کے قابض ہوجانے کا اندیشہ پیدا ہوگیا چنانچہ قاضی سالار کے نائب قاضی خلیل نے اپنے نام سند قضاوت حاصل کرلی تھی۔ اس لئے محمد سراج الدین کے والد قاضی تاج الدین نے بڑی کوشش سے سند قضاوت وخطابت قندھار اپنے خاندان کے لئے محفوظ کرلی۔ اور اب تک یہ دونوں خدمتیں انہی کے خاندان میں جاری ہیں۔

قاضی قمر الدین انہوں نے اپنے چچا اور والد قاضی ولی محمد وقاضی خیر الدین کے صلح نامہ کے بموجب خدمت محتسبی ونرخ نویسی قندھار اور خطابت پرگنہ ساڑبارہ کی سند اپنے نام علحدہ حاصل کرلی تھی۔ انکے دو فرزند تھے۔ معین الدین اور نظیر الدین موخر الذکر کی اولاد میں اب کوئی باقی نہیں ہے

محمد معین الدین عرف محمد فیض الدین نے ۱۱۳۶ھ میں محتسبی ونرخ نویسی کی سند حاصل کی۔ آپکے ایک فرزند محمد فاضل تھے جنھوں نے ۱۱۹۷ھ میں بمقام حیدرآباد انتقال کیا اور پرانے پل کے قریب اکمل شاہ کے تکیہ میں دفن کئے گئے۔ انکے تین ۳ فرزند تھے محمد خیر الدین، اور محمد امین الدین کثرت۔ اور محمد اکبر ــــ محمد خیر الدین نے ۷ ذی الحجہ ۱۱۹۷ھ میں سند احتساب حاصل کیا آپ نے بھی حیدرآباد ہی میں ۱۲۲۴ھ میں انتقال کیا اور سید برہان اللہ شاہ صاحب کے تکیہ میں

آپ کا مزار ہے۔ آپ کے ایک فرزند محمد رحیم الدین تھے جنھوں نے قندھار میں ۱۲۷۸ھ میں انتقال کیا

حاجی محمد بہاء الدین رحیم الدین صاحب کے فرزند تھے۔ اور باپ کے بعد محتسب ہوئے۔ مولوی انوار اللہ فضیلت جنگ کے حقیقی پھوپی زاد بھائی تھے۔ اور رشتہ کے علاوہ ان کی طبیعت میں درخور بھی حاصل تھا۔ ہمیشہ صحبت میں رہتے اور ان کی معاش وغیرہ کا انتظام بھی یہی کرتے تھے۔ علیم الدین صاحب (فرزند مولانا شاہ رفیع الدین) کی دختر ان سے منسوب تھیں۔ انکی دوسری زوجہ وہاب الدین صاحب محتسب بھینہ کی دختر ہیں مگر یہ لاولد فوت ہوئے۔ ان کو برادری کے اکثر خاندانوں سے واقفیت تھی چنانچہ تاریخ قندھار کی ترتیب میں مولوی امیر حمزہ کو بڑی مدد دی تھی۔

محمد امین الدین کثرت آپ بمقام قندھار ۱۱۸۲ھ میں پیدا ہوئے۔ سن رشد تک اپنے والد ماجد کے زیر تربیت تعلیم پائی انکے انتقال کے بعد مولانا شاہ رفیع الدین کو اپنی استادی کے لئے منتخب کیا۔ اور مولوی قاضی امان اللہ صاحب المتخلص وحدت و مولوی محمد شمس الدین صاحب و شاہ عبداللہ صاحب سے بھی مستفید ہوئے۔ انہی بزرگوں کے تلمذ میں آپ نے مختلف علوم کا اکتساب کیا۔ تحصیل علوم کے آغاز میں (غالباً ۱۲۲۱ھ میں) بلدہ کا سفر کیا اور وہیں بعض احباب کی فرمائش سے اٹھارہ سال کے سن میں آپ نے کتاب **فوائد کثرت** لکھی جسکے اعداد سے سن تصنیف نکلتا ہے۔

قندھار واپس ہونے کے بعد آپکے فضل وکمال نے دور دور تک رسائی کی۔ نواب امیر نواز جنگ نے آپکے روحانی اوصاف کے معتقد ہو کر ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا اور ناندیڑ تک بلوا کر اپنے حسن عقیدت سے آپ کے نام پر یومیہ مقرر کیا اور اپنے ساتھ حیدرآباد لے آئے جہاں چند روز

قیام کرکے آپ وطن کو واپس ہوئے ۔

اپنے استاد مولانا شاہ رفیع الدین صاحب سے بیعت حاصل تھی اور انہیں سے آپنے اکتساب فیض فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ مولوی محمد امین الدین صاحب کے ساتھ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کو انکے حسن باطن کے لحاظ سے ابتدا ہی سے ایک خاص خلوص تھا بعض رقعوں کے دیکھنے سے جو انشائے جمع الجواہر میں مرقوم ہیں ثابت ہے کہ یہہ بیعت خاص مولانا صاحب موصوف کے تحریک پر ہوئی ہے چنانچہ اسکے ثبوت میں ایک رقعہ کا اخیر مضمون تاریخ قندھار دکن میں نقل کیا گیا ہے جب شاہ رفیع الدین صاحب نے آپکو مجموعی اوصاف سے متصف پایا اور آپ میں ہر طرح کی قابلیت دیکھی تو چاروں طریقہ میں تمغہ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ آپکی متعدد تصنیفیں موجود ہیں مگر وہ چھپ نہ سکیں گو یہی کتابیں آپ کے حلقہ تدریس میں رہتی تھیں اور صدہا شاگردوں نے انہیں کتابوں سے فیض پایا ۔

قانون کثرت اس میں فارسی عربی متداولہ لغات کے معنی اور مصادر اردو زبان میں بتلائے گئے ہیں جو مبتدیوں کے لئے نہایت مفید ہیں ۔

دیوان کثرت عروض میں آپکو وہ پایۂ کمال حاصل تھا کہ آپ ایک بہت بڑے مستند شاعر مانے گئے اس فن میں اس سے بڑھکر اور کیا شہرت عام کی دلیل ہو سکتی ہے کہ عوام الناس کی زبانوں نے آپکے کثرت تخلص کو کل خاندان ہی سے متعلق کیا یہہ دیوان اشعار اور غزلیات کا بیش بہا ذخیرہ اور آپ کے بلاغت وفصاحت کا ایک نمونہ ہے چند اشعار اخیر میں نموناً نقل کئے گئے ہیں ۔

جمع الجواہر رقعات کثرت یہہ ایک رقعوں کا مجموعہ ہے جو متعلقین اور عزیز و اقارب کے نام لکھے گئے ہیں

شرح گلستاں | گلستاں کی شرح ہے اپنے فرزند مولوی محمد سالار غیور کے لئے عام فہم مضمون میں نہایت توضیح سے لکھی ہے۔

کثرت نامہ منظوم | سکندر نامہ کے بحر میں لکھا گیا ہے جسمیں مختلف حکائیتیں اور قندھار کے راجاؤں کا بھی حال ہے۔

سوانح الرفیع | حضرت مولانا شاہ رفیع الدینصاحب کے حالات اور انکے ملفوظات کا ایک مختصر مجموعہ ہے

فواید سالار | یہ بھی منظوم ہے اور عمدہ عمدہ حکایات درج ہیں جسکو اپنے فرزند محمد سالار صاحب کے نام سے موسوم کئے

فواید کثرت | لغات فارسی عربی و ہندی وغیرہ کی بطور نصاب کے نظم میں ایک ضخیم کتاب ہے۔

آپنے اسّی سال کی عمر میں ۲۲ ربیع الاول ۱۲۶۲ھ کو انتقال کیا یہہ عین اس شہر آشوبی کا وقت تھا جب منیمنت سنگھ نے روہیلوں کے ساتھ قلعہ قندھار پر چڑھائی کی تھی جس کا ذکر غیر ضروری ہے آپ کے انتقال کی خبر بہت جلد تمام شہر میں پھیل گئی اور سارا قندھار امنڈ آیا۔ چونکہ روہیلے آپ کے زیادہ تر معتقد تھے سبھوں نے ملکر اپنے ہاتھ سے تجہیز و تکفین کو انجام دیا اور قاضی محلہ کی مسجد کے صحن میں دفن کئے گئے۔ آپکی انتقال کی تاریخ آپ کے فرزند مولوی محمد سالار صاحب غیور نے نہایت سوز و گداز سے لکھی ہے۔

جامع علم و حلم امین الدین | چوں برفت آں جناب از دنیا
از سر پائے درو شد تاریخ | وائے رفت آفتاب از دنیا
۱۲۶۲ھ

اب ہم حضرت کثرت کے فارسی کلام کا کچھ نمونہ یہاں پیش کرتے ہیں۔

عرق بچہرہ در آمد چو یار در گلشن | حقیقت گل و شبنم پدید شد بچمن
چو شمع سوختن آغاز کرد روشن شد | بسوز در رہ عشق کہ تا شوی روشن

بکثرتست خیالِ محبتِ ذاتش | خیالِ عزیق کہ شد بیخبر زنو دکہن
صبا بیار پیامِ وصالِ جانانم | گلِ نشاط بیفشاں درون دامانم
ز ہجر یار زبس پارہ پارہ گشت دلم | برنگِ دامنِ گل چاک شد گریبانم
بسانِ برق سراپا طپش بخود دارم | برنگِ آئینہ در عکس خویش حیرانم
بکثرتِ غم عشقش دلم تر و تازہ | بباغِ شوق دمیدست بیکرانم
منعم بمال مست و گدائے بحال مست | ہر ساز نغمہ دار دو ہر نغمہ سازہا
دارم نوائے عشق بساز خیال خویش | آرام دل بود دلِ ما را بنازہا
دمے کہ نالہ زنم آسماں سپر گردد | بسوز درد و دروںم سقر شرر گردد
زبسکہ شہرۂ آفاق گشتۂ در خلق | باشتیاق جمالت وطن سفر گردد
ہر آنکہ نقد دلِ خویش داد در غفلت | تمام سودِ دو عالم بدو ضرر گردد

محمد سالار غیور | کثرت کے فرزند تھے اور جید عالم و فاضل تھے۔ ان کا انتقال ۸ محرم ۱۳۱۷ھ قندھار میں ہوا اور قاضی محلہ کی مسجد میں دفن ہوئے۔ ان کے تین فرزند تھے۔ محمد امین الدین۔ محمد قمر الدین۔ شمس الدین امیر حمزہ۔ اول الذکر دو کی اولاد نرینہ باقی نہ رہی۔ امین الدین صاحب کی بیوی مولانا شاہ بدیع الدین رفاعی کی دختر تھیں جن کے نواسے فصیح الدین صاحب آتشگر اور ان کی اولاد موجود ہے۔ ان کی ایک دوسری بیوی بھی تھیں جنکے نواسے اعتضاد الدین صاحب اور انتصار الدین صاحب انجینیر موجود ہیں۔

محمد شمس الدین امیر حمزہ حمزہ | نام محمد شمس الدین ہے لیکن انکے عرف امیر حمزہ نے اتنی شہرت حاصل کرلی کہ اصل نام پر پردہ پڑ گیا، اس عرفیت کا سبب یہ ہے کہ وہ "داستان امیر حمزہ" کے حافظ تھے۔ اور جہاں جاتے امیر حمزہ کے نام سے پکارے جاتے۔ برادری میں، دوست احباب میں، حتی کہ دفاتر سرکاری میں تک بھی وہ شمس الدین کے بجائے امیر حمزہ ہو گئے۔

حضرت حمزہ ۵ ربیع الاول ۱۲۷۶ھ میں بمقام قندھار شریف (ضلع ناندیڑ) پیدا ہوئے۔ انکی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ کیونکہ ان کے والد محمد سالار غیور نے اپنے لڑکوں کی تعلیم کا انتظام اپنے ہی ذمہ لیا تھا۔ حضرت حمزہ ذہین اور بڑے ذکی الطبع تھے چنانچہ بہت جلد فارسی پر عبور حاصل کرلیا۔ شاعری بھی انہیں ورثہ ہی میں ملی تھی۔ غیور خود ایک اچھے شاعر تھے اور اپنے ہر تلمیذ رشید کو اچھا شاعر دیکھنا چاہتے تھے لیکن ان کا بیشتر زمانہ اضلاع میں گذرا اسلیئے شہرت حاصل نہ کر سکے۔ قطع نظر اسکے وہ قدیم طرز کے عالم تھے اور فارسی زیادہ مرغوب تھی اردو میں انہوں نے اپنا کوئی دیوان مرتب نہیں کیا۔ مثل مشہور ہے کہ ہونہار بروا کے چکنے پات حضرت حمزہ نے جب شاعری کی دنیا میں قدم رکھا تو بلحاظ رجحان زمانہ انہوں نے اپنی توجہ اردو پر صرف کی نہ صرف اردو شاعری پر بلکہ اردو ادب پر بھی جیسا کہ ہم آگے تفصیل سے اسکا اظہار کرینگے۔ ابتداً حضرت حمزہ نے اپنے والد ہی سے شعر و سخن میں صلاح لی اور پھر حضرت منظفر الدین معلیٰ کے شاگرد ہو گئے۔ وہ زمانہ طفولیت سے شعر کہتے اور انہیں حفظ کرکے خاص محفلوں اور خانگی تقاریب میں خوش ہو ہو کر سنایا کرتے۔

ملازمت اور ادبی ذوق | حضرت حمزہ نے ابتداً محکمہ اول تعلقداری ضلع نظام آباد میں ملازمت کی



منشی محمد امیر حمزه، حمزه مرحوم محتسب قندهار

لیکن کچھ عرصہ بعد ہی اس ملازمت کو خیرباد کہہ دیا اور حیدرآباد آکر شاہ علی بنڈہ میں مقیم ہو گئے اور دوبارہ سنہ ۱۲۹۱ف میں سررشتہ ٹپہ میں ملازم ہوئے تو ایسے پھنسے کہ تمام عمر دہیں گذار دی۔ دورانِ ملازمت میں بہ تقریب دورہ انہیں اکثر مقامات دیکھنے کے مواقع ہاتھ آئے جس سے معلومات میں اضافہ ہوتا گیا۔ وہ ان لوگوں میں نہ تھے جو دنیاوی علائق میں پھنس جانے کے بعد ادبی خدمت چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ انہیں ادبیات سے فطری لگاؤ تھا وہ آخر دم تک طالب علم رہے۔ کتب بینی کا بیحد شوق تھا۔ انکے شوقِ ادب کو ملازمت کم کر سکی اور نہ انکی دیگر مصروفیت (وہ سرکاری امور میں بیحد مصروف رہتے لیکن کچھ نہ کچھ وقت ادبی کام کے لئے ضرور نکال لیتے) ایسے زمانے میں جب تعلیم اسقدر عام نہ تھی حضرت حمزہ نے جو ادبی خدمات انجام دیں اسکا ہر اہل ذوق کو اعتراف ہے انہوں نے نہ صرف متعدد اعلیٰ پایہ کتابیں لکھیں بلکہ سرزمین دکن کے تعلیم یافتہ طبقہ میں تصنیف و تالیف کا ذوق و شوق پیدا کیا۔

ادبی کارنامے ان کے ادبی کارنامے تین ابواب پر منقسم ہو سکتے ہیں۔

الف۔ تاریخ ب ڈرامہ نگاری ج شاعری

تاریخ قندھار دکن حضرت حمزہ نے ایک مورخ کی حیثیت سے جو شہرت حاصل کی اس میں "تاریخ قندھار دکن" ان کا ایک زریں کارنامہ ہے جو انکی کئی سال کی کدوکاوش کا نتیجہ ہے۔ قندھار کی سیاسی حیثیت قدیم زمانے میں جیسی کچھ تھی اسکے آثار قدیمہ یعنے قلعہ اور فصیل سے اب بھی ظاہر ہوتی ہے جو زبان حال سے اپنی عظیم الشان داستان سنا رہے ہیں انکی عظمت کا اندازہ صرف ایک نظر میں کیا جا سکتا ہے۔ اسکی چوڑی انکی عمیق خندق

اور اژدہا نالوں میں (جو اب بھی چند موجود ہیں) اس کی سطوت و جبروت کی شاہد ہیں مصنف نے "تاریخ قندھار دکن" کی وجہ تصنیف دیباچہ میں یہ لکھی ہے:۔

"قندھار دکن میرا آبائی وطن ہے اور محتسبی کی خدمت میرے خاندان میں مخصوص ہے اور اس قصبہ کی جاگیر موضع ہڈلی سے حصہ پاتا ہوں انعامداری اور زمینداری کی عزت بھی حاصل ہے اس لئے مجھے اس کے ساتھ خاص تعلق ہے"

یہی وجہ تھی کہ حضرت حمزہ نے "قندھار کی آبادی اور اس کے عروج و زوال کے واقعات کو جو کتب تاریخ میں پراگندہ اور متفرق" تھے ایک کتاب میں جمع کر دیا ہے اور جو دقتیں اس راہ میں حائل ہوئیں اس کا اظہار انہوں نے اس طرح کیا ہے:۔

"اس کے واقعات مختلف کتابوں میں اس قدر پریشان تھے کہ انکا جمع کرنا اور کتاب کی صورت میں اہل وطن کے سامنے پیش کرنا نہایت مشکل معلوم ہوتا تھا لیکن دل میں جو شوق ایک بار پیدا ہو چکا تھا نہ رکتا تھا...... میں نے دکن کے متعدد کتب تاریخ سے قندھار کے متعلق جو مضامین پائے چن لئے....... قلمی کتب اور بیاضوں سے جو میرے جد بزرگوار مولانا مولوی محمد امین الدین صاحب کثرت سے کتب خانہ میں رکھ چھوڑے تھے اور جن کو میرے والد ماجد مولانا محمد سالار صاحب غیور نے میرے تفویض کیا۔ اس کے علاوہ اور کاغذات و اسنادِ قدیم جن کا ذخیرہ میرے خاندان میں میرے چچا زاد بھائی مولانا مولوی حاجی محمد بہاؤالدین صاحب محتسب قندھار کے پاس موجود ہے ان سے بھی عندالضرورت بہت مدد لی ہے آخر زمانے کے راجاؤں کے عہد حکومت کے حالات کا مواد مولانا سیدہ شاہ حسینی ابن حاجی سیدہ شاہ حیدر علی صاحب

کے پاس موجود تھا اور اسکی تصدیق قدیم دفاتر سرکار عالی صیغۂ مال و دیوانی اور دفتر مقدم پٹواری سے کرکے واقعات صحیح درج کتاب کئے گئے محکمہ بندوبست اور محکمہ مالگزاری کی رپورٹوں سے بھی ہمارے قندھار کے متعلق ہم نے مضمون اخذ کرکے لکھدیا ہے۔ اور قدیم سفرنامے اور نیز بزرگانِ دین کے تذکروں سے بھی حالات لے لئے ہیں..... غرض جہاں تک ہو سکا معتبر اور صحیح واقعات لئے گئے قصے اور نقلیں جو عوام کی زبان زد تھیں چھوڑ دی گئیں.... میں نے اور بھی مختلف کتابوں سے مضامین کی صحت کی اکثر مقامات پر قلمی کتابیں جن کی مجھ کو تلاش تھی دستیاب ہوئیں میں نے اپنی کتاب کے مندرجہ واقعات کی صحت میں کوتاہی نہیں کی اور اس کو درست کرتا گیا اور ۱۳۲۱ھ میں اس کی پوری تکمیل ہوی "

اس کتاب کی اہمیت کا صحیح اندازہ اس امر کے اظہار کے بعد ہو جائے گا کہ اکثر موقعوں پر اہل خدمات اور جاگرداروں کی وراثت وغیرہ مقدمات کے سلسلے میں اس کتاب کے بیانات کو بطور سند قبول کیا گیا ہے۔ اور دوسری اہمیت اس کتاب کی یہ ہے کہ ریاست حیدرآباد کے کسی شہر یا قریہ کے متعلق ایسی مبسوط، محققانہ اور مستند تاریخ آجتک نہیں لکھی گئی حالانکہ عہد حاضر میں بڑے بڑے انشاپرداز اور محققین مصروف کار ہیں۔ یہ کتاب دراصل ۱۳۱۵ھ میں تکمیل پا چکی تھی لیکن حضرت حمزہ کی ملازمت نے اس کو چھ سال تک شایع ہونے کا موقع نہ دیا جب ۱۳۲۱ھ میں شایع کی گئی تو اس قدر مقبول ہوئی کہ آج بھی اس کی مانگ ہے۔ "تاریخ قندھار" جیسی ادبی خدمت کو ملک تو ملک بیرون ملک کے اہل ذوق نے بھی شوق سے خریدا۔ اور تبصرے لکھے چنانچہ شبلی جیسے مایۂ ناز ادیب نے اس پر ان الفاظ میں تنقید کی۔

"یہ کتاب نہایت سلیقہ سے لکھی گئی ہے، زبان صاف اور شستہ ہے اور صحیح اردو کی پابندی کی گئی ہے"

مولوی عبدالحلیم شرر نے لکھا کہ -

" زیادہ تعریف کی بات یہ ہے کہ زبان نہایت سادی اور بے تکلف اور واقعہ نگاری کی شان لی ہوئی ہے۔"

اس تصنیف کی قابل قدر خاص بات یہ ہے کہ قندھار میں جتنے بزرگانِ دین کے مزار ہیں ان سب کی سوانح حیات اس کتاب میں تفصیل سے ایک علحدہ باب میں درج کر دئے گئے ہیں۔ اور ہر واقعہ کے متعلق کتب قدیم کے حوالے بھی دے گئے ہیں۔ یہی چیز ہے کہ اس تاریخ نے خواص و عوام میں بہت جلد مقبولیت اور مستند ہونے کا درجہ حاصل کرلیا۔

تاریخ کولاس حضرت حمزہ نے ایک اور تاریخ بھی لکھی جو "تاریخ کولاس" کے نام سے موسوم ہے، کولاس حیدرآباد سے شمال مغربی جانب ۸۶ میل اور نظام آباد سے جنوب کی جانب ۳۶ میل کے فاصلہ اور سلسلۂ بالا گھاٹ پر ایک قصبہ ہے۔ جس کی زمانہ سابق میں عظمت اور خوش حالی کے لحاظ سے خاص اہمیت اور شہرت تھی اسکی اہمیت میں اضافہ کرنے والا اسکا مستحکم قلعہ تھا۔ لیکن اب وہاں کی ہر چیز ہونے نہ ہونے کے برابر ہے۔

"تاریخ کولاس"، قندھار کی تاریخ سے بیس سال بعد لکھی گئی ہے اس کو دو حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے پہلے حصہ میں کولاس کی بنیاد پڑنے کے بعد سے نواب آصفجاہ اول کے آغاز حکومت تک کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں۔ اور دوسرے حصہ میں کولاس کا دور آصفی میں تاریخی کیا مرتبہ تھا اسکو واضح کیا گیا ہے حضرت حمزہ نے دونوں تاریخوں کے لکھنے میں نہایت محنت اور اہتمام سے کام لیا ہے۔

عموماً مورخ ہمیشہ جانب دارانہ پہلو اختیار کرتے رہے ہیں لیکن ان دونوں تاریخوں میں کہیں یہ محسوس نہیں ہوسکتا کہ مورخ ہندو ہے یا مسلمان، دکنی ہے یا شمالی ہند کا باشندہ۔

روضۂ شہید یعنی سوانح حیات حضرت صاحب عالم شاہ عنایت اللہ حسینی شہید | زاہد غریق اسکا تاریخی نام ہے ۔ ۱۳۲۷ھ۔ یہ کتاب دراصل حضرت صاحب عالم سید شاہ عنایت اللہ حسینی شہید کی سوانح حیات ہے جو مصنف کے ماموں زاد بھائی تھے اور رود موسی کی مشہور طغیانی ۱۳۲۶ھ میں غریق رحمت ہوئے ہیں۔ اسی تالیف میں ضمناً رود موسی کی ان ۳۹ طغیانیوں کا ذکر ہے جو یدفعات حیدرآباد میں نازل ہوئی ہیں خاصکر وہ طغیانی جو آج تک قیامت صغریٰ کے نام سے مشہور ہے اور جو ۱۳۲۶ھ کا واقعہ ہے اسکے حالات زیادہ وضاحت سے لکھے گئے ہیں۔

روضۂ شہید کی زبان و بیان بھی نہایت صاف اور پاکیزہ ہے۔ اسمیں حضرت صاحب عالم شہید کے خاندان، تعلیم، حالات زندگی اور سلوک و عرفان کے حالات تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ اس کے اقتباسات ہم نے تیسری فصل میں دئے ہیں جن کے مطالعہ سے اسکی اہمیت واضح ہوگی۔

مکاشفات سروری | "تاریخ قندھار" کے سلسلہ تالیف میں بعض عمائدین قندھار کے سوانح زندگی سے متعلق جو چند قلمی نسخے اور کاغذات دستیاب ہوئے تھے ان میں ایک جلیل القدر بزرگ حضرت حاجی سیاح سید سعید الدین رفاعی سرور مخدوم کے فارسی مکتوب بھی تھے اور یہ مکتوب تصوف جیسے اہم اور مشکل مسائل پر لکھے گئے تھے حضرت حمزہ نے بڑی محنت سے اس کا ترجمہ عام فہم سلیس اردو میں کیا تھا چونکہ اس کا تعلق تمامتر تصوف سے تھا اس لئے حیدرآباد کے ایک مشہور واعظ اور صوفی عالم حاجی سید محمد عمر شاہ صاحب قادری کی نظر ثانی کے بعد یہ کتاب طبع ہوئی تھی۔

یمین السلطنت مہاراجہ سر کشن پرشاد شاد صوفی مدظلہٗ نے اس ترجمہ کی خوبی کے متعلق کیا خوب فرمایا ہے:۔ قطعہ

کیا ہے ترجمہ مکتوب کا جو حمزہ نے — مکاشفات سروری رکھا ہے نام اسکا

دوئی کے رنگ میں وحدت کا نور ہی پیدا — عجب مزے کا ہے اے شاد یہ کلام اسکا

ڈرامہ نگاری | دکن کی ڈرامہ نگاری کے مدارج ارتقا میں حضرت حمزہ کا اولین حصہ ہے انہوں نے متعدد ڈرامے لکھے جن میں سے اکثر کلکتہ کی الفنسٹن تھیٹریکل کمپنی کی جانب سے اسٹیج پر پیش کئے گئے تھے۔ اور یہی ڈرامے کمپنی مذکور کی شہرت اور شاندار کامیابی کا باعث بھی ہوئے ان کے تمام ڈرامے منظوم ہیں اور نہایت لطیف پیرایہ میں پیش کئے گئے ہیں چند ڈراموں کا اجمالی طور پر یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

سحر سامری | اس کے دو حصے ہیں پہلا طلسم جمشید اور دوسرا طلسم بوقلموں دونوں حصے زیادہ تر ظرافت آگیں ہیں یہ ابتداً ۱۳۱۲ھ میں شایع ہوئے اور جب ان کی مانگ زیادہ ہونے لگی تو ۱۳۳۱ھ میں طبع کئے گئے عام مقبولیت کی وجہ سے تیسرا ایڈیشن بھی شایع کرنا پڑا۔

غنچۂ دلبری | یہ ایک سماجی ڈرامہ ہے اور سماج کے اخلاقی اور معاشرتی عیوب کی اصلاح کا بہترین نمونہ ہے

ساحر سبھا | یہ زیادہ تر معاشرتی ہے اسکی مقبولیت کیلئے اسقدر کہنا کافی ہے کہ دو دفعہ طبع ہوا۔

دیگر ڈرامے | ان کے علاوہ سحر سوسن، گل و بلبل، شرار عشق اور جوہر خنجر انکے مذاق سلیم کے آئینہ دار ہیں اور عوام میں بہت مقبول رہے ہیں۔

افسوس ہے آج ان ڈراموں کا کوئی ایک نسخہ بھی بازار میں نہیں ملتا سنا گیا ہے کہ انہوں نے

تارک الدنیا ہونے کے بعد اسکو لہو لعب خیال کر کے تلف اور ضایع کر دیا اور ڈرامہ کا ایک نسخہ بھی اپنے کتب خانہ میں چھوڑنا گناہ سمجھا۔

شاعری ان کے ادبی کارناموں کا سب سے اہم جز و شاعری ہے جو عمر بھر انکا محبوب مشغلہ رہا۔ حضرت حمزہ نے ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ غزلیات، قصاید ٹھمریاں، نظمیں وغیرہ سب ہی لکھے ہیں لیکن نعتیہ اشعار کی تعداد زیادہ ہے ٹھمریاں اور قصائد عموماً سب نعتیہ ہیں مترنم بحریں اختیار کی گئی ہیں۔

چمنستان حمزہ ان کے نعتیہ کلام کا مجموعہ جسمیں صرف قصائد اور ٹھمریاں شامل ہیں۔ "چمنستان حمزہ" کے نام سے شایع ہوا تھا۔ ملک اور بیرون ملک نے اس کا اس جوش کیساتھ خیر مقدم کیا کہ اس مجموعہ کو دو سال کے بعد ہی خریداروں کے تقاضے پر دوبارہ شایع کرنا پڑا اسوقت ہمارے پیش نظر طبع سوم (۱۳۴۹ھ) کا نسخہ ہے۔ حضرت حمزہ نے بیرون ملک جو شہرت حاصل کی اس کا اندازہ ذیل کے فقرہ سے ہو سکتا ہے جو روزنامہ "مشیر دکن" میں بائیس سال قبل ۲۴ جمادی الاول ۱۳۳۳ھ کے صفحہ دوم پر شایع ہوا ہے۔ حالات اوٹا کمنڈ و بنگلور کے سلسلے میں نامہ نگار رقم طراز ہے:۔

"آج کل" انجمن اسلامیہ" ترقی پر ہے اس انجمن نے ایک میلاد کی جماعت قائم کی ہے... ...... مولوی محمد امیر حمزہ صاحب المتخلص حمزہ حیدرآبادی سر رشتہ دار نظامت ٹپہ گذشتہ جمعہ کو یہاں تشریف لائے یہاں کے بہت سے حضرات آپکے استقبال کے لئے اسٹیشن تشریف لے گئے تھے کیونکہ یہاں پر صاحب موصوف ہی کے قصائد کثرت سے پڑھے جاتے ہیں چنانچہ جب صاحب موصوف

گذشتہ سال ناظم صاحب پیپہ کے ہمراہ یہاں تشریف لائے تھے اوسی وقت سے ''انجمن اسلامیہ'' نے متذکرہ بالا میلاد کی جماعت کا نام ''چمنستان حمزہ'' رکھا ہے اور اس نام کی رجسٹری بھی کروائی ہے۔ یہ خاص حیدر آبادیوں کے لئے فخر کی بات ہے کہ وہاں کے تعلیم یافتہ و شعراء وغیرہ کی دوسرے شہروں میں بھی وقعت کی جاتی ہے۔''

نعتیہ ٹھمریاں لکھنے میں اعظم علی شایق کے بعد دکن میں حمزہ ہی کی شہرت ہے آج بھی اضلاع و بلدہ وغیرہ میں میلاد کی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں اور عموماً حضرت حمزہ کا کلام نہایت شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ حضرت حمزہ اپنا کلیات شایع نہ کر سکے۔ لیکن ان کے صاحبزادے مولوی عبدالعظیم صاحب اس کی اشاعت کا ارادہ رکھتے ہیں کاش وہ جلد شایع ہو کر منظر عام پر آجائے اور حمزہ کی غزلیات کی اہمیت بھی معلوم ہو سکے۔ یہاں چمنستان حمزہ سے انکے چند نعتیہ اشعار کا انتخاب پیش کرتے ہیں۔

اللہ کی پناہ پناہِ رسول ہے — ظل خدا ہے سایۂ دیوار مصطفےٰ

خدا کی شان کہ رحمت بھی ہو گئی محجوب — کچھ ایسا حشر میں میں غرق انفعال آیا

نگاہ چشم تصور رہے روئے انور پر — مگر یہ ختم ہوئی آجتک نظر کی طمع

سرفرازی ہوئی جاتی ہے اتنی ہی خدا شاہد — رہ طیبہ میں جتنی پائمالی ہوتی جاتی ہے

ہوا ہے دو قدم جاتا ہوں آگے — نقاہت میری تشہیر آفریں ہے

کثرت جرم معاصی کی ہے شرم — اس لئے زیر کفن چھپ کر چلے

حضرت حمزہ نے چند قصائد طویل بحر میں لکھے ہیں ان کا لطف تو کچھ محفل میلاد

ہی میں آتا ہے لیکن یوں بھی ان کا مطالعہ کیف و سرور کا عالم پیدا کر دیتا ہے ۔

میں تڑپ کے سسک کے مروں گا ابھی خدا جان ہی اپنی کروں گا ابھی   تو چھپا کے نقاب سحاب میں رخ مجھے خاک میں رشک قمر نہ ملا
وہ جمال جو حمزہ دکھائی دیا مجھے ہوش کسی کا ذرا نہ رہا   مجھے میری بھی گھڑیوں خبر نہ ملی پتہ میرا ابھی دو دو پہر نہ ملا

عارض پہ گیسو کی لٹک   گیسو پہ پھولوں کی مہک   دانتوں میں بجلی کی چمک
قربان ہیں جس پر ملک   ایسی چمک ایسی دمک   دیکھی نہ ہم نے آج تک
کہتے ہیں یہ شام و سحر   شمس و قمر حل و گہر
آج جبرئیل امین   خندہ جبیں آکے قریں   چوم کے چوکھٹ کی زمیں
عرض کناں ہیں با ادب   اٹھو اے فخر عرب   خاصۂ رب آج کی شب
حق نے طلب تم کو کیا   با سروسامانِ بہار
اے شہنشاہ امم، نور قدم لوح و قلم، مارے جو دم ہو نہ رقم، وصف ترا حق کی قسم
تو وہ ذیجاہ ہے واللہ، شہنشاہ ہے درگاہ، تری کیوں نہ ہو پھر، رشکِ ایوانِ بہار

حضرت حمزہ نے بعض سخت زمینوں میں بھی طبع آزمائی کی ہے یہ کام کسی نو مشق شاعر سے سرانجام نہیں پا سکتا وہ سخت سے سخت ردیفوں میں آسانی سے کلام موزوں کر لیتے ہیں مثلاً

اس نے پھیرا دل تو اس نے دعوت اسلام دی   وہ خدا اور یہ نبی تدبیر ہے دونوں کی ایک

دل بنایا حق نے اور کعبہ خلیل اللہ نے
جلوہ گر دونوں میں ہے توقیر ہے دونوں کی ایک
والضحیٰ روئے نبی والیل زلف مصطفےٰ
یوں جدا سمجھو مگر تفسیر ہے دونوں کی ایک

انہوں نے چھوٹی بحر میں اسی طرح ایک قصیدہ لکھ کر اپنے کمال کا ثبوت دیا ہے

قد حضرتؐ کے آگے سرو چمن
بے سروپا نہیں تو پھر کیا ہے
دل میں ارمان و شوق و حسرت کا
حشر برپا نہیں تو پھر کیا ہے
اپنی آنکھوں کے سامنے ہر دم
اس کا جلوہ نہیں تو پھر کیا ہے
داغ مہجوری رسول اللہ
گل لالہ نہیں تو پھر کیا ہے

قلعہ قندھار کی زبانی جو عرضداشت حضرت حمزہ نے خسرو دکن آصفجاہ سادس کی خدمت میں پیش کی ہے اس کے چند اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

اے میرے والی مرے سلطان عالی منزلت
عہد میں تیرے زمانہ اک گل بے خار ہے
تو ہے سلطان دکن تیری رعایا ہیں سبھی
تیرے نخل فیض کا ہر ایک برخوردار ہے
ہے زمانہ پر ترا ابر کرم سایا فگن
اک مگر محروم بخشش قلعۂ قندھار ہے
اک زمانہ تھا کہ میں تھا امن و ملجائے خلق
اور اب آفت میں خود ہی میری جان زار ہے
تھا کبھی اک گوشۂ امن و امان میرا احاطہ
اب مجھی کو امن ملنا کس قدر دشوار ہے
رحم کے قابل ہے میرا حال زار اب کیا کہوں
اک نگاہ لطف ہو جائے تو بیڑا پار ہے
سر مہاراجہ بہادر وہ یمین السلطنت
جو وزیر اعظم شاہ نکو اطوار ہے
وہ مبارک عہد ہے عہد وزارت شاد کا
شادماں جس سے کہ ہر اک بے کس و لاچار ہے
ہو خدارا اب تو میری خستہ حالی پر نظر
بس یہی اک التجائے قلعۂ قندھار ہے

حضرت حمزہ کے آخری دور کا رنگ بھی ملاحظہ ہو جب کہ حمزہ ایک ڈرامہ نگار سے نعت گو اور نعت گو سے بڑھکر صوفی ہو گئے ہیں۔ صرف ایک غزل کے چند شعر ہدیہ ناظرین ہیں۔

تو ڈھونڈ اسے دل میں گر تجھ کو تجسّس ہے ۔۔۔ کعبہ میں ہے کیا رکھا مندر میں دھرا کیا ہے
بندہ کسے کہتے ہیں، کہتے ہیں خدا کس کو ۔۔۔ نقطہ کی ہے اک گردش دونوں میں جدا کیا ہے
کعبہ میں کلیسا میں ہے یاد تری ہر دم ۔۔۔ الفت کا تری یارب یہ شور بپا کیا ہے
ہر چیز میں اس کے ہی جلوہ ہے نہاں حمزہ ۔۔۔ سمجھوں جو بھلا ابت کو تو اس میں برا کیا ہے

ٹھمریوں کی مثالیں

نبی جی کی کہائی ۔۔۔ جب میں دنیا میں آئی ۔۔۔ نروہ نزدیک مجھ کو بلاتے نہیں
میں نے کیا کی برائی ۔۔۔ ان سے جو دل لگائی ۔۔۔ کوئی دنیا میں کیا دل لگاتے نہیں

تلپت کلپت بیتی رتیاں نیندا اچٹ گئی ہائے
پلک پلک سے ناہیں ملیں نین جلیں پر درس نہ پائے

سکھی تم ہی بتاؤ ۔۔۔ کیا ہو گا نبھاؤ ۔۔۔ کس سے بولوں، ملاؤ

وہ تو آتے نہیں اور بلاتے نہیں
کوئی دنیا میں کیا دل

دیس میں رہ کر پردیسی پی جی سے ہوئی بلہا ۔۔۔ جس کی چاہ میں ڈوب رہی ہوں وہ ہے سمندر پار
خضر ملیں گر ۔۔۔ ناؤ چڑھا کر ۔۔۔ بولوں گی رہبر
بتلاؤ جی خواجہ اس رہ گذر کو ۔۔۔ دکھلاؤ جی روئے خیر البشر کو

پیت پیت سب کوئی بولیں پر نہیں جانیں پیت کی ریت
تن من دھن کو آگ لگادے گیان گنوادے وہ ہے پیت
نیہا کی بپتا سکھی من مان ہے مورے
لے کے سینے میں داغ جگر جاوں گی

—— ۲ ——

گورا مکھڑا چندر ما تھا نینن میں ہیں ڈورے لال
بل بل جائیں سیس نبی پر گھونگر والے گھنے بال
کاکل کا — سکھی ان کے قصے نہ چھیڑو
دیکھو زلفوں سے بڑھکر بکھر جاوں گی

بار گنہ سے ڈوب رہی ہے آن پڑی منجدھار نبی جی موری نیا کر دو پار
بالا پن اور چڑھی جوانی دونوں گئے برباد
بورھے پن میں حرص بڑھی تھی کیا قضا نے یاد
اب تو چھوڑ چلے گھر بار
نبی جی موری نیا کر دو پار

حضرت حمزہ کی اولاد آپ کے دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں جن میں پہلی محمد عبد الحمید صاحب (خلف فیاض الدین خطیب آبنہ) دوسری اور چوتھی عبد الوہاب عندلیب (برادر عبد الحمید صاحب) اور تیسری نور الحسن صاحب (خلف محی الدین پاشاہ حسینی)

سے منسوب ہوئی ان سب کی اولاد موجود ہے جن کے نام شجرہ سے واضح ہونگے۔

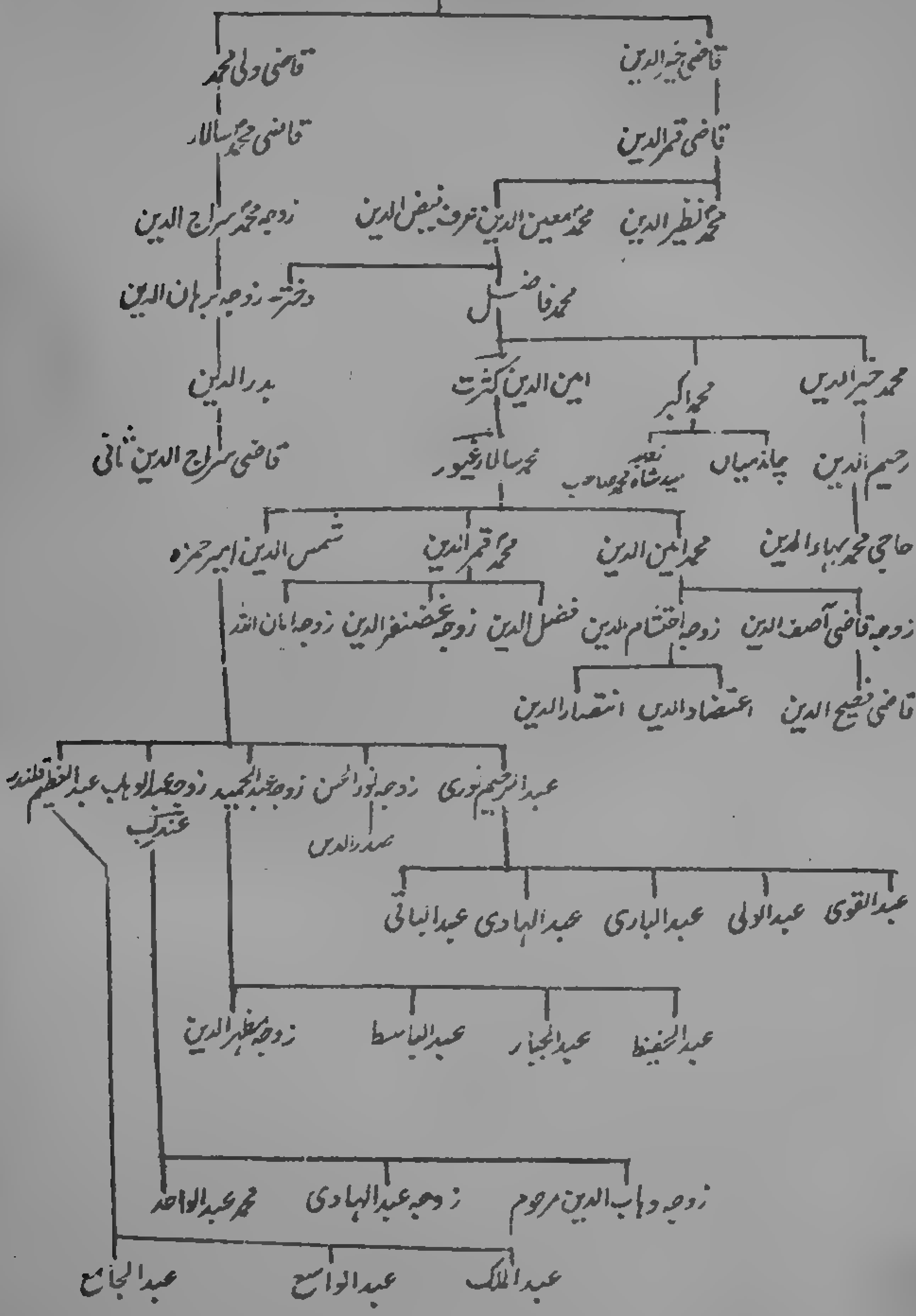
مولوی امیر حمزہ صاحب کے بڑے فرزند محمد عبد الرحیم صاحب نوری نظامت پٹیہ میں ریلوے انسپکٹر تھے اب حسن خدمت پر وظیفہ یاب ہیں انکے پانچ فرزند عبد الباقی، عبد الغنی، عبد الباری، عبد الولی اور عبد القوی ہیں۔ اول الذکر دو نے جامعہ عثمانیہ سے بی۔اے کی ڈگریاں حاصل کرلی ہیں اور بقیہ ابھی زیر تعلیم ہیں۔ مولوی عبد الرحیم صاحب اپنے والد کے انتقال کے بعد محتسب قندھار ہوئے۔

مولوی امیر حمزہ صاحب کے دوسرے فرزند عبد العظیم صاحب قلندر ہیں جن کو تین صاحبزادے عبد الملک عبد الواسع اور عبد الجامع ہیں۔

اولاد محمد اکبر ولد محمد فاضل اس فصل کو ختم کرنے سے قبل اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ تاریخ قندھار میں محمد فاضل ولد محمد معین الدین کے دو فرزند لکھے گئے ہیں حالانکہ ان کے تین فرزند تھے۔

۱۔ محمد خیر الدین ۲۔ محمد امین الدین ۳۔ محمد اکبر۔ موخر الذکر کو ایک فرزند چاند میاں اور دو دختران تھیں جن میں سے ایک حضرت سید شاہ محمد رفاعی سے منسوب ہوئیں اور انکو ایک فرزند مولانا سید شاہ بدیع الدین رفاعی اور تین دختران تھیں۔ ۱۔ زوجہ محمد سالار غیور ۲۔ زوجہ محمد جلال الدین خطیب ہٹہ ۳۔ زوجہ سید میاں جاگیردار سا اُگاؤں۔ ان سب کا تذکرہ تیسری فصل میں گذر چکا ہے۔ محمد اکبر صاحب کی دوسری دختر عبد الصمد صاحب قاضی پالم سے منسوب ہوئیں جن سے ایک فرزند محمد منیر الدین قاضی پرکھنی پیدا ہوئے جنکا تذکرہ ضمیمہ (آٹھویں فصل) میں درج رہے گا۔
محمد اکبر کے فرزند چاند میاں کو ایک دختر تھیں جو حیات الدین قاضی اونڈہ سے منسوب ہوئیں جن سے ایک دختر قادرہ بی زوجہ محمد امان اللہ پیدا ہوئیں۔ ان کا تذکرہ بھی ضمیمہ میں درج ہے۔

شجرہ خاندان محتسبانِ قندھار



آٹھویں فصل

ضمیمے۔ اعزہ واقارب مشاہیر قندھار

اس فصل میں ان خاندانوں کے متعلق حالات درج ہیں جو یا تو مشاہیر قندھار کے ہم جد ہیں یا جن سے قندھار کے متذکرہ فصول گذشتہ چھ خاندانوں سے قرابتیں ہوئی ہیں اور جو ممالک محروسہ کے مختلف اضلاع میں شرعی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولانا شاہ رفیع الدین اور قاضیان و خطیبان و محتبان قندھار کے ہم جد خاندان حسب ذیل مقامات میں اہل خدمات شرعیہ ہیں:۔

۱۔ آرام گیر ۲۔ اونڈہ ۳۔ بسمت نگر ۴۔ پاتھری ۵۔ پالم و بربھنی ۶۔ سارڈباڑ (عثمان نگر) ۷۔ ناندیڑ ۸۔ نرسی ۹۔ ہٹہ نیز مقامات ذیل کے اہل خدمات شرعیہ سے قندھار کے خاندانوں سے رشتے ہوئے ہیں۔ ۱۔ انبڑ ۲۔ آنبہ (مومن آباد) ۳۔ اندور (نظام آباد) ۴۔ اودگیر ۵۔ بالکنڈہ ۶۔ بودہن ۷۔ بھینہ ۸۔ بیڑ ۹۔ پانور ۱۰۔ پانگاؤں ۱۱۔ پرتور ۱۲۔ پونیر ۱۳۔ دیگلور ۱۴۔ راجورہ (احمد پور) ۱۵۔ کولاس ۱۶۔ مدہول ۱۷۔ نرمل ۱۸۔ ینکیور

لیکن ان خاندانوں کا ذکر شروع کرنے سے قبل حضرت حاجی سیاح سرور (دوسری فصل) اور حضرت مولانا شاہ رفیع الدین (چوتھی فصل) کی اولادوں میں سے بعض کے متعلق جو مزید علم ہوا ہے وہ درج کر دیا جاتا ہے۔

سید حسن نبیرہ شاہ سراج الدین کی اولاد | اولاد حاجی سیاح سرور مخدوم کے تذکرہ میں صفحہ ۳۶ پر شجرہ اولاد سراج الدین میں عبد اللطیف کے فرزند سید حسن کی اولاد کے نام درج

نہیں ہوسے ہیں۔ یہ اصحاب ناندیڑ کے محلہ فتح برج میں قیام پذیر ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ سید حسین۔ سید میراں۔ سید پیر۔ سید سیدن۔ سید محمد۔ سید عسکر علی۔ سید چراغ علی موخر الذکر کے فرزند سید شجاعت علی صاحب اسوقت موجود ہیں۔ وکالت کرتے ہیں۔ ان سے نصیر الدین صاحب قاضی آرام گیر کی دختر منسوب ہے۔

سید غلام نقشبند کی اولاد اولاد مولانا شاہ رفیع الدین کے تذکرہ میں صفحہ ۸۵ پر غلام نقشبند کے تین فرزندوں شاہ شرف الدین شاہ محمد اصفیا اور فصیح الدین کی اولاد کے نام درج نہیں ہیں یہ سب بسمت میں قیام پذیر ہیں۔ بڑے فرزند مشائخ صاحب نے ہمیشہ مجذوب صفت اور سادہ لباس میں زندگی بسر کی آخر کار تعلقہ بسمت نگر میں انتقال فرما کر اپنے والد کے پہلو میں جانب مغرب دفن ہوئے دوسرے فرزند محمد اصفیا سررشتہ تعلیمات میں ملازم رہکر بمقام ہنگولی وظیفہ یاب ہوئے اور اپنا آبائی و اجدادی پیشہ ادا کرتے ہوئے ۳ رماہ رمضان کو بمقام ہنگولی انتقال کیا۔ انکے دو فرزند بڑے محمد قیام الدین جو اسوقت منصفی بسمت نگر میں ناظر ہیں دوسرے محمد تاج الدین صاحب صیغہ دار تحصیل پاتھری ہیں۔

شاہ غلام نقشبند کے تیسرے فرزند غلام دستگیر عرف محمد فصیح الدین جو تازیست اپنے آبائی و اجدادی پیشہ کو انجام دیتے رہے اور سیاحی میں عمر بسر کی ان کے لئے محکمہ نظامت امور مذہبی سے سند وعظ گوئی ملی تھی۔ لیکن ۱۳۳۱ف میں یکایک انتقال کیا۔ بعد نماز جمعہ کئی بار نماز جنازہ ہونے کے بعد اپنے والد کے پہلو میں جانب شرق دفن ہوئے آپ کے تین فرزند بڑے احمد خیر الدین عرف محمد جلال الدین دوسرے محمد امیر الدین عرف محمد امیر اللہ جنکو اپنے والد سے

خلافت ہے اور مثل والد ماجد پیشہ اجداد ادا کرتے ہیں انکا قیام گاہ وطن موروثی قندھار شریف ہے اور اسوقت صدر مدرس تعلقہ پالم ہیں۔ غلام دستگیر صاحب کے تیسرے فرزند محمد شہاب الدین اہلکار تحصیل کلمنوری موجود ہیں۔

(ب) قندھاری خاندانوں کے ہم جد خاندان

قاضیان آرام گیر

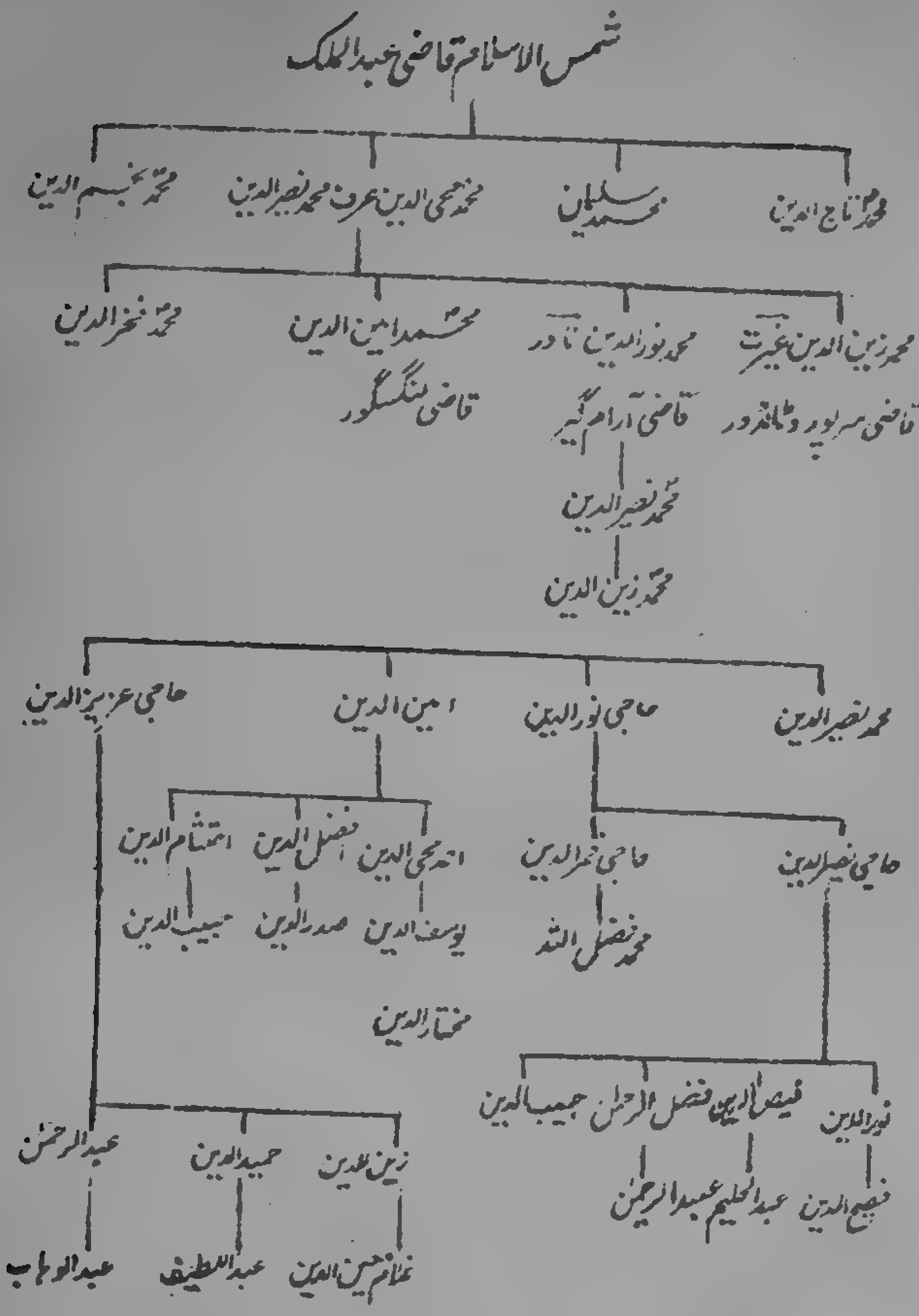
یہ اصحاب مولانا شاہ رفیع الدین اور قاضیان وخطیبان ومحتسبان قندھار کے ہم جد ہیں۔ یعنی قاضی عبد الملک کے فرزند سیوم قاضی محی الدین عرف محمد نصیر الدین خطیب بسبنت وقاضی سرکار آرام گیر وسرپور ٹانڈور کے دو فرزند تھے زین الدین عزت اور نور الدین نادر دونوں فارسی میں ید طولی رکھتے تھے اور شاعر بھی تھے۔ زین الدین عزت نے اپنے والد کی وفات پر قطعہ تاریخ لکھا تھا جو انکی مزار پر موجود ہے۔ قاضی محمد نور الدین قاضی سرپور ٹانڈور بعد وفات برادر زین الدین (جو لاولد تھے) منصب قضاءت سرکار آرام گیر سے سرفراز ہوئے۔ ان کی اولاد کا سلسلہ ابتک قائم ہے قاضی محمد نصیر الدین کے فرزند قاضی عبد الملک کو تعلقہ سلطان آباد میں مڑپلی اور ضلع آصف آباد میں منتہ پلی وغیرہ جاگیرات عطا کی گئی تھیں۔ جو اس وقت تک بحال ہیں انہی کے سلسلہ میں زین الدین ثانی کو قاضی مسیح الدین صاحب پالم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد وفات دیگر منسوب ہوئیں۔ منکوحہ اول سے ایک دختر ہوئیں جو شیخ الدین صاحب المخدمت شرعیہ قصبہ بالکنڈہ کو منسوب ہوئیں جنکی ایک دختر تھیں جو نواب معز یار الدولہ کو منسوب ہوئیں۔ اور زوجہ ثانیہ سے چہار فرزند اور تین دختر ہوئیں۔ دختر اول محمد زین الدین برادر قاضی راجورہ اور ثانی بالکنڈہ میں عبد الواحد صاحب کو اور ثالث حاجی محمد صدر الدین محتسب پالم کو منسوب ہوئیں۔ ان کے

فرزند اول قاضی محمد نصیر الدین جنکو قاضیان اودگیر کی صاحبزادی مسماۃ امن بی منسوب تھیں (جو سعد الدین صاحب عرف بدر الدین صاحب کے حقیقی پھوپی ہوتی ہیں) لاولد فوت ہوئے۔

فرزند دوم حاجی محمد نور الدین قاضی سرکار آرام گیر جو نہایت خلیق، منکسر مزاج اور اہل ثقاۃ ہیں باوقار بھی انہوں نے اپنے اعلیٰ حوصلگی سے چھہ مواضعات جو تقریباً دس سال سے ویران و بے چراغ تھے لیکر آباد کیا اسوقت انکی آمدنی اپنے موروثی معاش و جاگیرات کے مماثل بلکہ کسی قدر مستزاد ہے اب ان کے دو فرزند موجود اور اپنے معاش موروثی مکسوبہ پر قابض و متصرف ہیں۔ قاضی نور الدین کو محمد رکن الدین قاضی سرکار ضلع بیڑ کی صاحبزادی منسوب ہوئیں جو مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری کے خلف اکبر مولوی زین العابدین کی صاحبزادی سے تولد ہوئی تھیں۔ قاضی نور الدین کے دو فرزند ایک محمد نصیر الدین قاضی سرکار آرام دوسرے محمد قمر الدین موجود ہیں۔ قاضی محمد نصیر الدین کو قاضی پالم محمد مسیح الدین کی دختر کلاں اور محمد قمر الدین کو قاضی محمد عزیز الدین مفتی ضلع بیڑ کی دختر کلاں منسوب ہیں قاضی محمد نصیر الدین اور محمد قمر الدین قاضیان علوم عربی و فارسی میں قابلیت رکھتے ہیں ان کے والد قاضی نور الدین نے ۱۳۰۹ء میں ایک جامع مسجد اپنی جاگیر موضع مرڑپلی میں بمصارف ذاتی تعمیر کی تھی جس میں ان کا مزار ہے۔ قاضی نصیر الدین صاحب کے دو دختر ہیں۔ ایک دختر حکیم عبدالقادر قاضی قندھار کو اور دوسری شجاعت علی صاحب وکیل ہائیکورٹ و جاگیردار علاقہ ناندیڑ کو منسوب ہیں ان کے تین فرزند کتخدا ہیں۔ فرزند اول حاجی محمد نور الدین مولوی فاضل مدرسہ نظامیہ کو محمد مؤید الدین صاحب وفات ظیفیاب منتظم معتمدی سیاسیات کی دختر، فرزند دوم حکیم حاجی محمد عبد القدیر مولوی عالم مدرسہ نظامیہ کو خواجہ غلام غوث صاحب عرف بغدادی میاں کی اور فرزند سیوم

محمد فضل الرحمن کو قاضی صدیق احمد عرف فہیم صاحب کی نواسی (یعنے دختر محمد عبید اللہ صاحب مرحوم) منسوب ہیں۔

حاجی محمد قمر الدین صاحب کے ۳ دختر تھیں ایک دختر سید احمد اللہ حسینی فرزند سید شاہ برہان اللہ حسینی صاحب رفاعی سجادہ کو، دوسری دختر منشی فاضل خواجہ بوتراب صاحب وکیل ہائیکورٹ فرزند حاجی حافظ خواجہ شاکر اللہ صاحب جاگیردار دیہقتی پرگنہ کولاس کو اور تیسری دختر ظہور الدین احمد فرزند محمد فخر الدین صاحب وکیل و محتسب قصبہ بنولہ کو منسوب ہیں۔ ان کے ایک فرزند محمد فضل اللہ فاروقی جاگیردار کالج میں زیر تعلیم ہیں۔ فرزند سوم قاضی محمد امین الدین مرحوم کی دو بیویاں تھیں ایک اہل خدمات شرعیہ ضلع بیدر سے تھیں اور دوسری دختر قاضی حسام الدین صاحب اودگیر زوجہ اول کے بطن سے قاضی حاجی احمد محی الدین قاضی سرپور تانڈور ہیں اور زوجہ ثانی سے محمد فضل الدین محمد احتشام الدین ہیں قاضی احمد محی الدین کو دختر شاہ حامد حسین مرحوم منصبدار و محتسب بنولہ منسوب ہیں محمد فضل الدین کو واعظ الدین صاحب برادر قاضی شاہ پاتھری کی صاحبزادی منسوب ہوئی انکی ایک دختر سردار الدین تحصیلدار پاتھری کو منسوب ہیں۔ محمد احتشام الدین صاحب کو دختر مولوی صدر الدین صاحب وکیل منسوب ہوئی۔ حاجی محمد عزیز الدین صاحب فرزند چہارم قاضی زین الدین صاحب کے تین فرزند اول حاجی محمد زین الدین صاحب دوم محمد حمید الدین سیوم عبد الرحمن عزیز الدین صاحب کو دختر حفیظ الدین صاحب برادر خطیب آشٹی ضلع بیڑ منسوب ہیں زین الدین صاحب کو دختر محمد بدر الدین صاحب ولد حفیظ الدین صاحب برادر خطیب آشٹی جو کہ ثانی دختر صدر الدین صاحب وکیل کریم نگر جو ان کے حقیقی ماموں بھی ہوتے ہیں۔ عبد الرحمن صاحب کو انکے خالہ زاد بھائی صدر الدین صاحب طیفہ یاب امین کروڑگیری کی دختر منسوب ہیں۔



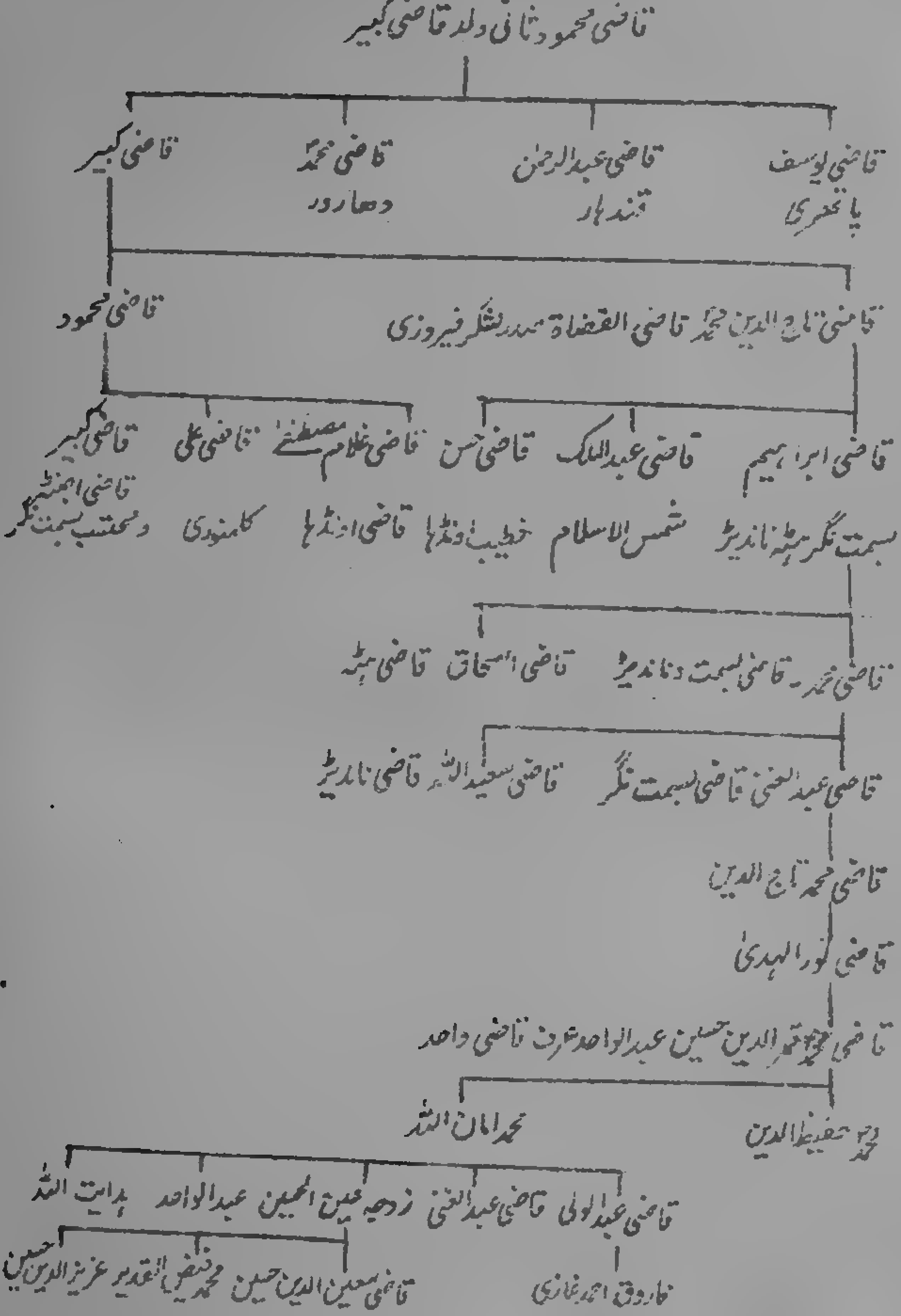
شجرہ خاندان قاضیان آرام گیر

قاضیان بسمت نگر | یہ بھی قندھاری خاندانوں کے ہم جد ہیں چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی چونتیسویں پشت میں قاضی شیخ احمد (نبیرۂ قاضی مرزا احمد بیگ قاضی احمد نگر) کے پڑپوتے قاضی محمود ثانی ولد قاضی کبیر کے چار صاحبزادے تھے۔
۱۔ قاضی یوسف قاضی پاتھری ۲۔ قاضی عبدالرحمن قاضی قندھار ۳۔ قاضی محمد قاضی دھارور ۴۔ قاضی کبیر موخر الذکر کے دو فرزند تھے ۱۔ قاضی محمود ۲۔ قاضی تاج۔

قاضی محمود کی اولاد میں تین صاحبزادے۔ ۱۔ غلام مصطفےٰ قاضی اونڈہا ۲۔ قاضی علی قاضی کلمنوری۔ ۳۔ قاضی کبیر اجنٹہ و محتسب بسمت نگر قاضی تاج کے بھی تین فرزند تھے۔ ۱۔ قاضی ابراہیم قاضی بسمت نگر وہٹہ وناندیڑ ۲۔ قاضی عبدالملک ۳۔ قاضی حسن خطیب اونڈہا۔

قاضی ابراہیم کی اولاد میں موجودہ قاضیان بسمت نگر ہیں۔ اسی سلسلہ میں قاضی محمد عبدالولی عرف جینو پاشاہ مرحوم ہیں جو منتظم باب حکومت سرکار عالی تھے۔ اور ابھی ابھی انتقال کیا ہے۔ انہی کی بہن قاضی عین الحسین مرحوم تحصیلدار سے منسوب ہیں جن کے فرزند قاضی معین الدین حسین بی اے ال ال بی اس وقت تحصیلدار ہیں۔

شجرۂ قاضیان بسمت نگر

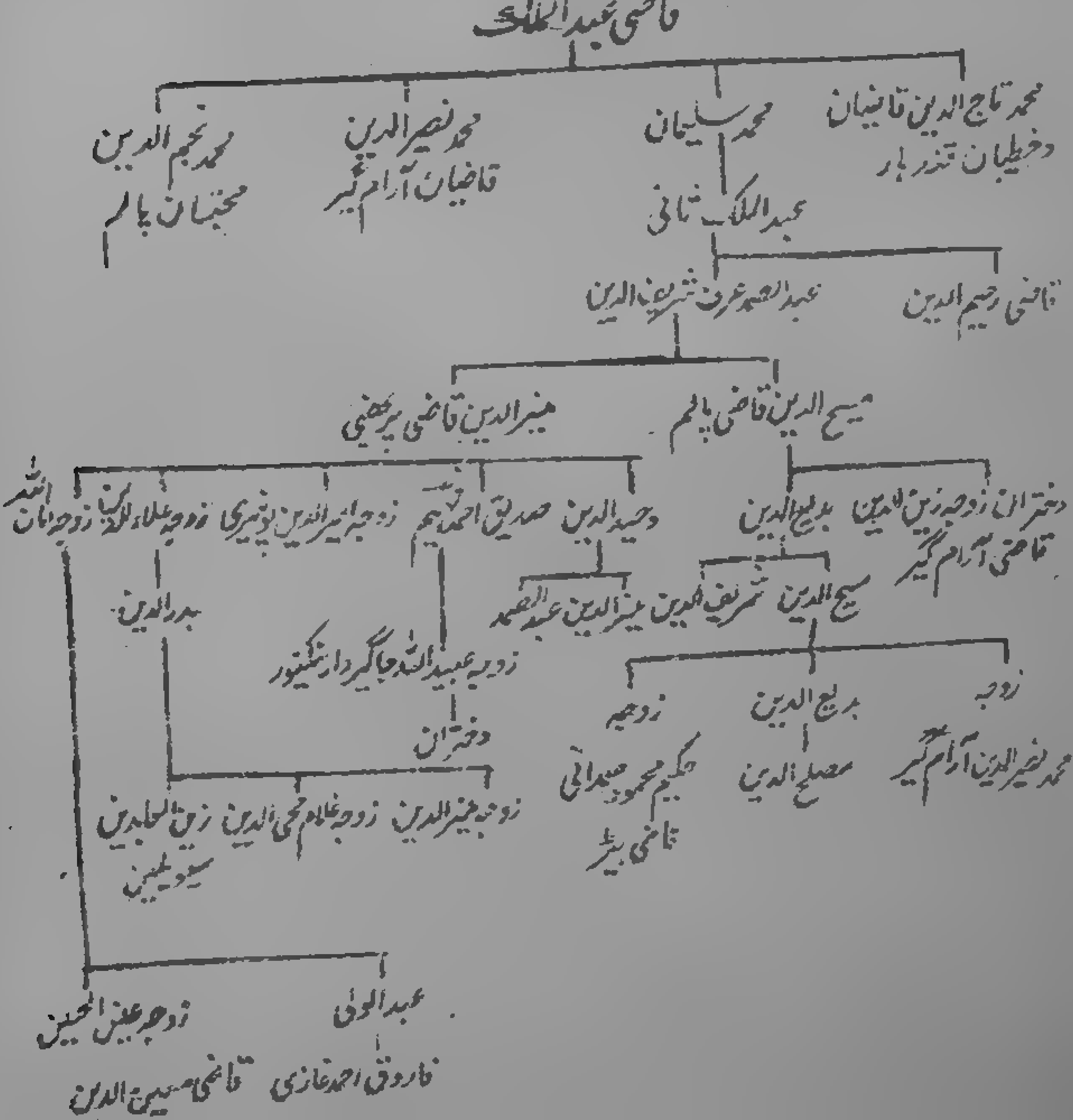




قاضی صدیق احمد فہم مرحوم برادر قاضی عالم

قاضیان پالم و پربھنی | یہ اصحاب مولانا شاہ رفیع الدین اور قاضیان و خطیبان و محتسبان قندہار کے ہم جدین۔ نیز انکے آپس میں رشتے بھی ہوئے ہیں۔ مثلاً محمد اکبر ولد محمد فاضل محتسب قندہار کی دختر سادات بی صاحبہ عبدالصمد قاضی پالم سے منسوب ہوئیں جنکی اولاد میں قضاءت پربھنی باقی ہے۔ انہی سادات بی صاحبہ کی حقیقی بہن سراج بی صاحبہ سید شاہ محمد صاحب اولاد مشکل آسان سے منسوب تھیں جنکی اولاد کا تذکرہ اس کتاب کی تیسری فصل (صفحہ ۵۳) میں درج ہو چکا ہے۔

قاضیان پالم و پربھنی کا شجرہ حسب ذیل ہے۔



قاضی عبدالملک ثانی کے دو فرزند تھے۔ بڑے محمد رحیم الدین تھے۔ قضاوت پر بھی اور معاش انہی کی پیدا کی ہوی ہے۔ یہ لاولد فوت ہوے۔ انکے چھوٹے بھائی قاضی عبدالصمد مولانا شاہ رفیع الدین کے مرید اور خلیفہ تھے محمد اکبر برادر محتسب قندھار کی دختر انکی دوسری بیوی تھیں انکی پہلی بیوی کی اولاد میں قضاوت پالم اسوقت تک موجود ہے۔ انکے بڑے فرزند مسیح الدین بھی مولانا شاہ رفیع الدین کے مرید اور صاحب علم و فضل بزرگ تھے۔ ان کی وفات کے متعلق محمد معین الدین خطیب قندھار نے ایک قطعہ تاریخ لکھا تھا جسکا مادہ تاریخ ہے حیف شد رحلت مسیح الدین ۱۲۵۳ھ

مسیح الدین کے فرزند بدیع الدین بھی بڑے عالم و فاضل اور مفتی مجلس عدالت العالیہ تھے۔ انکے دو فرزند مسیح الدین ثانی اور مولوی شریف الدین تھے۔ اول الذکر قاضی ہوے۔ لیکن موخرالذکر مولوی انوار اللہ خاں کے پیر بھائی اور حیدرآباد کے منتخب علماء میں سے تھے دائرۃ المعارف میں عربی کتب کی تصحیح کا کام ان کے سپرد تھا۔ حال قاضی صاحب بلدہ انکے شاگرد ہیں۔ اعلیحضرت خسرو دکن کے صاحبزادوں کی تعلیم بھی ان کے سپرد تھی۔

قاضی عبدالصمد کے دوسرے فرزند منیر الدین صاحب دل بزرگ تھے اور حافظ میر شجاع الدین حبیب اللہ کے شاگرد اور خلیفہ تھے۔ انکی بیوی عظیم الدین قاضی اودگیر کی دختر تھیں جن سے دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں۔ بڑے لڑکے وحید الدین عربی کے منشی اور عدالت میں مصنف تھے۔ انکے دو لڑکے قاضی منیر الدین اور عبدالصمد اسوقت موجود اور صاحب اولاد ہیں اول الذکر اچھے شاعر ہیں منیر الدین کے دوسرے فرزند صدیق احمد فہیم وکیل سرکار فارسی کے مشہور شاعر اور قانون کے مسلم الثبوت ماہر تھے ان کی زوجہ امیر الدین صاحب قاضی انیڑ کی دختر ہیں جن سے ایک دختر

موجود ہیں جو عبید اللہ صاحب جاگیردار بیکنور سے بیاہی گئیں۔ انکو ایک فرزند اور چار دختراں ہیں جنکا تذکرہ چھٹی فصل میں گذر چکا ہے۔

قاضی بشیر الدین صاحب کی پہلی دختر قاضی علاؤالدین اودگیری سے منسوب ہوئیں جنکا تذکرہ قاضیان اودگیر کے سلسلہ میں درج ہے۔ دوسری دختر قاضی امان اللہ صاحب سے منسوب ہوئیں ان کی اولاد میں قاضی عبد الولی اور زوجہ علیم الحسین صاحب مرحوم ہیں جن کا تذکرہ قاضیان بسمت کے سلسلہ میں گذر چکا ہے۔

محتسبان پالم

یہ اصحاب مولانا شاہ رفیع الدین قاضیان وخطیبان ومحتسبان قندہار کے ہم جد ہیں اور ان سے بھی قندہار کے خاندانوں سے رشتے ہوے ہیں۔ چنانچہ انکے جد الجد نجم الدین ولد عبد الملک تھے جنکی پوتری سراج الدین قاضی قندہار کی دوسری بیوی تھیں جنکی اولاد میں خطیبان قندہار ہیں۔ ان کے پوترے غلام حسین کو تین فرزند اور ایک دختر تھیں۔ موخر الذکر اپنے چچیرے بھائی محمد جلال الدین فرزند سراج الدین سے بیاہی گئیں۔ انکی اولاد کا تذکرہ چھٹی فصل میں مندرج ہے۔

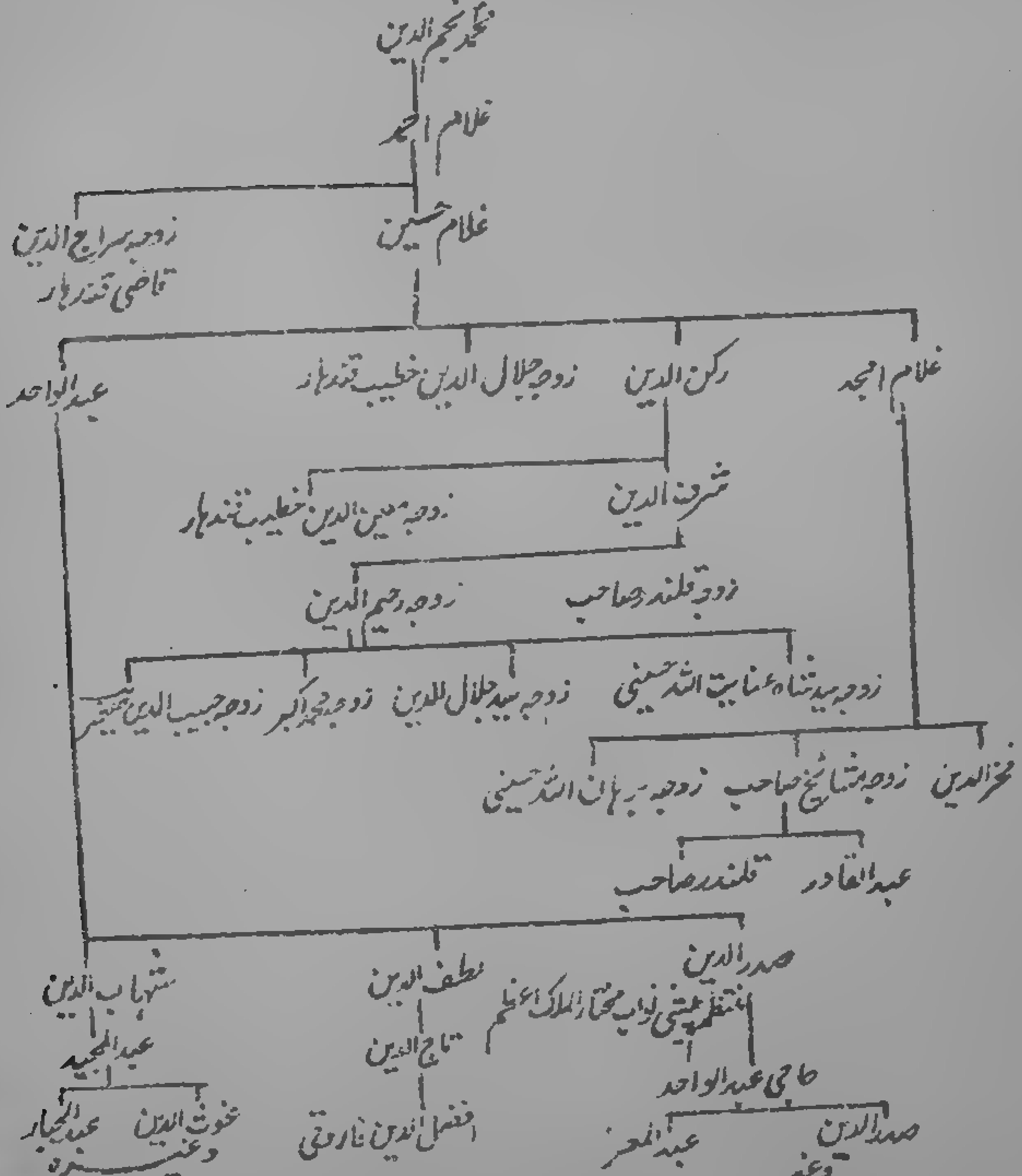
غلام حسین کے پہلے فرزند غلام احمد کو ایک لڑکا اور دو لڑکیاں تھیں لڑکے فخر الدین نے لاولد انتقال کیا۔ پہلی لڑکی سید شاہ برہان اللہ حسینی (اولاد مشکل آسان) سے منسوب ہوئیں جنکے فرزند رحمت اللہ حسینی سجادہ ہوے۔ انکا ذکر تیسری فصل میں درج ہے۔

دوسری لڑکی مشائخ صاحب ناندیڑ سے بیاہی گئیں جو بڑے بزرگ اور صاحب دل تھے چنانچہ تیم شاہ میاں مجذوب جنکی درگاہ ناندیڑ میں مشہور ہے انہی کے مرید تھے مشائخ صاحب

کے دو لڑکے عبدالقادر اور قلندر صاحب تھے ۔ غلام حسین کے دوسرے لڑکے رکن الدین
محتسب بالم ہوئے اور اپنی سعی سے خدمت مفتی بالم بھی حاصل کی تھی انکو ایک فرزند شرف الدین
اور ایک دختر تھیں جو معین الدین خطیب قندھار سے بیاہی گئیں انکی اولاد کا ذکر بھی فصل میں درج ہے
شرف الدین کی دو لڑکیاں صاحب اولاد ہوئیں ۔ ایک زوجہ رحیم الدین اور دوسری
زوجہ قلندر صاحب جنسہ غلام احمد ۔ محمد رحیم الدین برادر خطیب قندھار کو انکے خسر نے ہی اپنے
عین حیات خدمت افتاء بالم تفویض کردی تھی انکو ایک فرزند اور چار لڑکیاں ہوئیں ۔
دیکھو خطیبان قندھار صفحہ (۱۱۱)

غلام حسین کے تیسرے فرزند عبدالواحد کو تین لڑکے تھے پہلے فرزند صدرالدین اپنے
چچازاد بھائی شرف الدین کے انتقال پر محتسب بالم ہوئے ۔ یہ دفتر ملکی میں سررشتہ دار
اور صاحب اثر بزرگ تھے ۔ اپنے زمانہ کے ممتاز اصحاب میں سے تھے ۔ نواب مختار الملک
کے یہاں انکو خاص رسوخ حاصل تھا انکے فرزند حاجی عبدالواحد صاحب واحد ہیں
جو منصف وظیفہ یاب اور شاعر ہیں انکے دو فرزندوں صدرالدین اور عبدالمعز بی اے ال ال بی سے
منصف نے عین عالم جوانی میں انتقال کیا اول الذکر کے چار فرزند اور ایک لڑکی ہے بڑے
فرزند غیاث الدین ہیں جو جامعہ عثمانیہ میں بی ایس سی آخری میں تعلیم پا رہے ہیں ۔ عبدالواحد
اول کے دوسرے فرزند لطف الدین بھی دفتر ملکی میں ملازم تھے ان سے حیدرالدین قاضی بان گانو تعلقہ
کی لڑکی منسوب تھیں ان کے فرزند تاج الدین صاحب سررشتہ مال میں پیشکار تھے اور
ان سے عبدالقادر منتظم عدالت اورنگ آباد کی لڑکی بیاہی گئیں محمد افضل الدین صاحب فاروقی
منصف انہیں کے فرزند ہیں ۔ یہ ١٣٠٥ھ میں پیدا ہوئے اور اپنی ابتدائی تعلیم

سٹی ہائی اسکول میں پائی پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے علی گڈھ بھیجدئے گئے علی گڈھ یونیورسٹی سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کی اور سرکاری وظیفہ پر انگلستان روانہ ہوئے اکسفورڈ یونیورسٹی سے بی۔اے (آنرس) کی ڈگری لی اور بارسٹرایٹ لا کی سند لیکر (۱۳۳۹ف) میں حیدرآباد واپس ہوئے۔ انکی واپسی سے پہلے ہی ۱۳۳۶ف کے آخر میں آپکے والد تاج الدین صاحب نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان کا شجرہ نسب یہ ہے۔

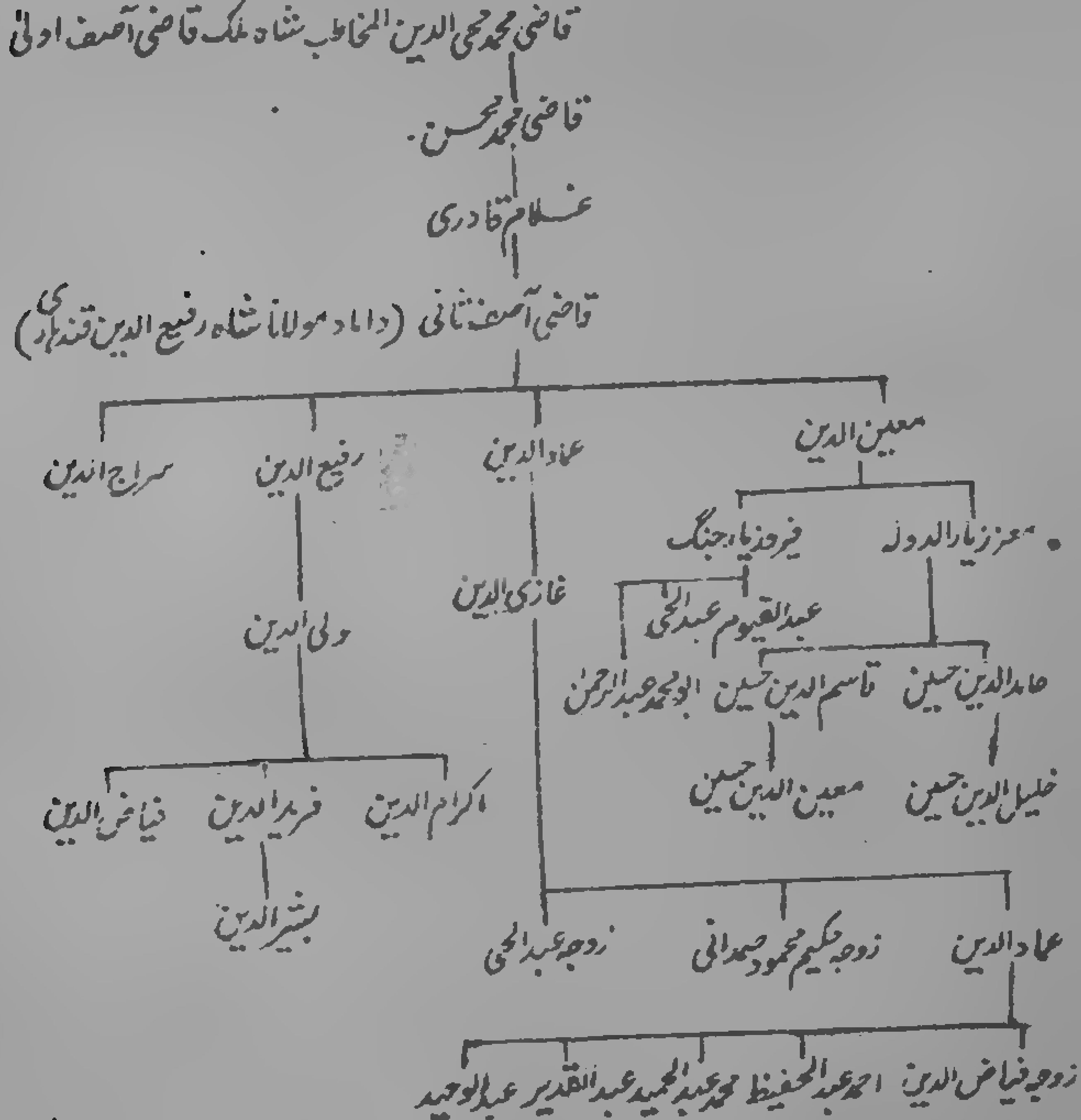


ج ۔ مشاہیر قندھار کے دیگر اعزہ

قاضیان اندور (نظام آباد) ان کا سلسلہ نسب خواجہ فضل اللہ چشتی سرہندی سے ملتا ہے انکی پندرھویں پشت میں قاضی محمد محی الدین عرف میراں صاحب المخاطب شاہ ملک قاضی آصف اولی بڑے مشہور مقتدر اور بااثر بزرگ گذرے ہیں۔ انکے پوترے غلام قادر تھے جنکے فرزند قاضی محمد آصف ثانی سے مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری کی دختر منسوب تھیں ان سے محمد معین الدین صاحب پیدا ہوے جن کے دو فرزند محمد معز الدین المخاطب معز یار جنگ معز زیار الدولہ اور محمد فصیح الدین المخاطب فیروز یار جنگ تھے یہ دونوں اعلیحضرت مرحوم اور اعلیحضرت سلطان العلوم کے اتالیق رہ چکے ہیں اور ان دونوں کے حالات اکثر تذکروں میں شایع ہو چکے ہیں اسلئے یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں نواب معز زیار الدولہ ۱۲۴۸ھ ماہ ذیحجہ میں پیدا ہوے پہلے اپنے نانا شاہ رفیع الدین کے مرید شمس الامرا بہادر کے یہاں بطور مصاحب رہنے لگے اور پھر اعلیحضرت مرحوم کے اتالیق ہوے ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ میں انتقال کیا انکے دو فرزند اور کئی صاحبزادیاں تھیں پہلے فرزند حامد الدین حسین خاں کا انتقال ہو چکا ہے اور انکے فرزند قاضی محمد خلیل الدین اسوقت قاضی نظام آباد ہیں ان سے نواب اکرام اللہ خاں کی دختر یعنے نواب اقتدار یار جنگ کی نواسی منسوب ہے ۔

نواب معز زیار الدولہ کے دوسرے فرزند نواب محمد قاسم الدین حسین خاں صاحب صاحب علم و فضل اور مقتدر اور باخیر انسان ہیں دفتر دیوانی و مال ملکی میں مددگار ناظم کی خدمت پر فائز ہیں ان سے مولوی حبیب الدین صاحب مرحوم معتمد فینانس کی دو دختراں منسوب ہوئیں ۔

نواب فیروز یار جنگ بہادر کے تین صاحبزادے عبدالقیوم عبدالحی اور ابو محمد عبدالرحمن صاحبان میں سے موخر الذکر موجود ہیں اور مہتمی پولیس کی خدمت پر فائز ہیں۔ قاضی آصف کی اولاد میں یعنی مولانا شاہ رفیع الدین کے نواسوں میں اور بھی اصحاب موجود ہیں اور ان میں سے اکثر صاحب ذوق اور باعلم بزرگ ہیں جنکے نام حسب ذیل شجرہ سے ظاہر ہونگے۔



قاضیان اودگیر ان کا سلسلہ خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر تک پہنچتا ہے۔ موجودہ قاضیان اودگیر کے جد امجد عبدالقادر ولد قاضی برہان بیڑ راجورہ اور اودگیر کے قاضی تھے چنانچہ ان کی اولاد میں اب تک ان تینوں مقامات کی قضاوت موجود ہے۔

قاضی عبدالقادر کی چوتھی پشت میں شمس الدین کو پانچ فرزند تھے جن میں علاءالدین قاضی اودگیر ہوئے۔ ان کے دو فرزند عظیم الدینخاں اور بدرالدین خاں تھے جنکو خانی خطاب ملا تھا اول الذکر قاضی اودگیر ہوئے۔ ان کو دو فرزند اور نو دختراں تھیں۔ پہلے فرزند شمس الدین کے خاندان میں قضاوت اودگیر اب تک موجود ہے۔ دوسرے فرزند حسن محی الدین عرف دوقی شاہ کی اولاد بھی جاری رہی مگر اولاد ذکور کا سلسلہ باقی نہ رہا۔

قاضی شمس الدین ولد عظیم الدین کی اولاد میں بشیر الدین صاحب جامی فارسی کے بڑے عالم اور شاعر اور مہاراجہ سرکشن السلطنۃ کے بچوں کے استاد اور اتالیق تھے۔ ان کے فرزند حسام الدین حاکم جامعہ عثمانیہ کے تعلیم یافتہ اور لایق نوجوان ہیں جامی صاحب کی ایک دختر خطیبان قندہار کے سلسلہ میں محمد معین الدین ولد فیاض الدین سے منسوب ہیں۔

اسوقت اودگیر کے قاضی بشیر الدین حسامی کے بھتیجے شمس الدین ہیں جو قاضی شریف الدین پالمی کے بھانجے ہیں۔

عظیم الدین خان کی نو لڑکیوں میں سے پہلی شاہ نجم الدین فرزند مولانا شاہ نیع الدین سے منسوب ہوئیں جو لاولد ہو گئیں۔ پانچویں دختر سید عبدالفیاض جاگیردار سرن پلی سے منسوب ہوئیں جنکے پوتے سید اعظم اللہ حسینی اظہر سے شاہ عنایت اللہ حسینی صاحب شہید



قاضی زین العابدین صاحب عابد اول تعلقدار نظام آباد
برادر قاضی اودگیر

(اولاد سانگڑے سلطان) کی دختر منسوب ہوئیں جن سے اولاد ذکور نہ ہوی ۔ نصل چوتھی

چھٹی لڑکی غیاث الدین قاضی زادہ بیڑ سے منسوب ہوئیں جن کے نواسے اعظم اللہ حسینی صاحب کو قندہار کی لڑکی دی گئی تھی جس کا ذکر ابھی گذر چکا ہے ۔

ساتویں لڑکی خواجہ محمد مراد مفتی کولاس سے منسوب ہوئیں جنکی اولاد میں خواجہ شاکر اللہ صاحب اور خواجہ غلام غوث بغدادی صاحب اور ان کی اولاد اسوقت موجود ہے ۔ اور آل میں حسینی بادشاہ صاحب ٹیکمالی تھے ۔

خواجہ محمد مراد صاحب کے ایک فرزند خواجہ قیام الدین کی دختر سید محمود صاحب فرزند سید احمد ٹیکمالی سے منسوب تھیں جنکے فرزند سید احمد صاحب قادری اس وقت جامعہ عثمانیہ میں پروفیسر ہیں ۔ اور چار لڑکیوں میں سے ایک ریاض الدین صاحب خطیب بودھن دوسری قاضی زین العابدین صاحب سیونلین اول تعلقدار نظام آباد اور تیسری احمد عبد القادر صاحب فرزند نور اللہ حسینی صاحب اول تعلقدار سے منسوب ہوئیں۔ ان سب کی اولاد موجود ہے ۔

اٹھویں لڑکی بدر الدین قاضی پربھنی سے منسوب ہوئیں جن کی اولاد کا ذکر اسی فصل میں قاضیان پربھنی کے سلسلہ میں اوپر آچکا ہے ۔

نویں لڑکی غلام رفاعی فرزند برہان الدین قاضی قندہار سے منسوب ہوئیں جنکی اولاد کا ذکر قاضیان قندہار کے سلسلہ میں درج ہے ۔

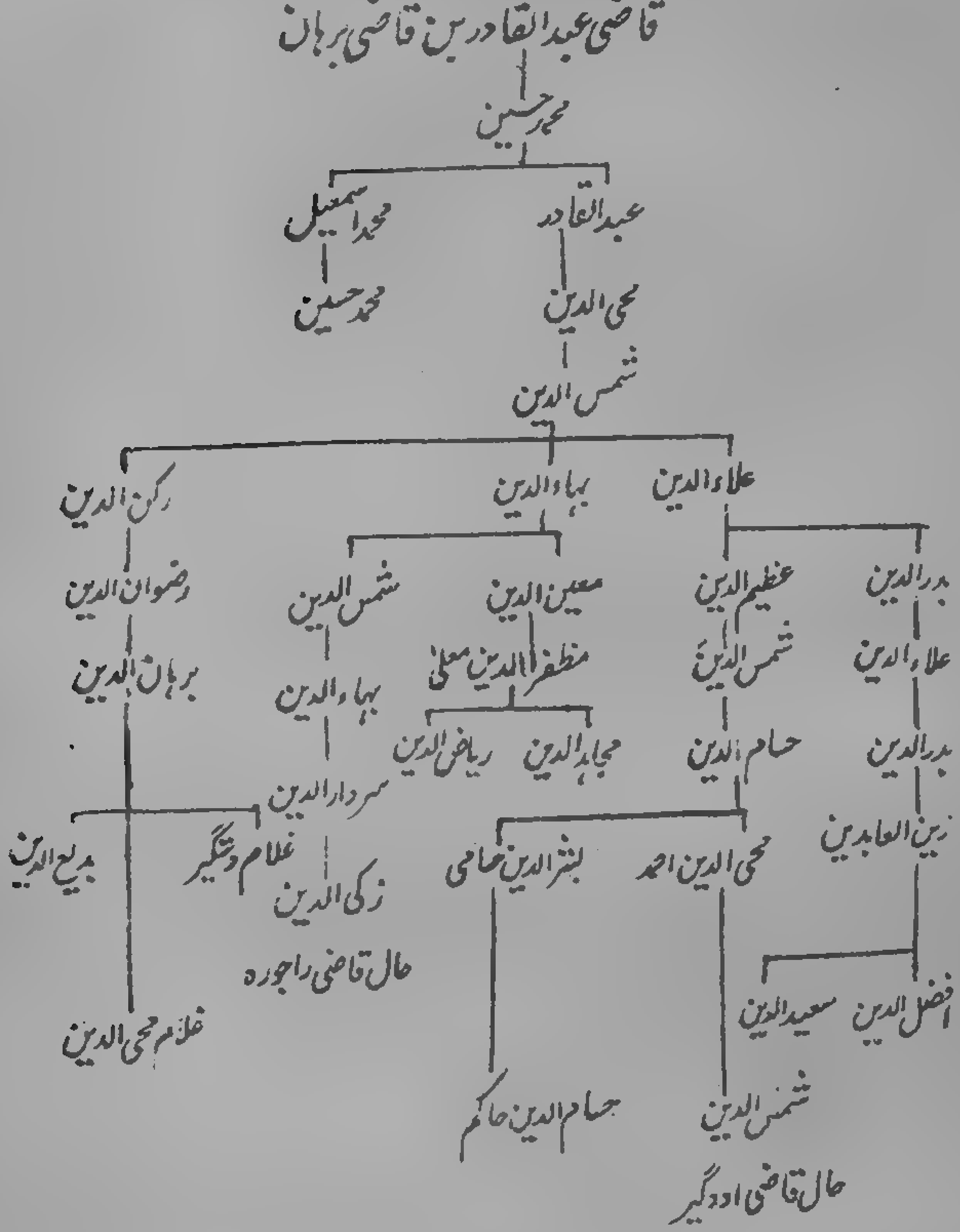
علاءالدین قاضی اودگیر کے دوسرے لڑکے بدر الدین خاص کے فرزند افضل الدین عرف علاءالدین اہل اللہ اور مجذوب صفت تھے ان سے منیر الدین قاضی پربھنی کی

دختر منسوب تھیں جن کے فرزند بدرالدین عرف سعیدالدین احمد عربی و فارسی کے منشی اور پربھنی کے با اثر اور مشہور وکیل تھے۔ انہوں نے سوانح زندگی بھی مرتب کئے تھے جو ان کے فرزند قاضی زین العابدین صاحب کے یہاں موجود ہے۔ یہ اگر چھپ جائے تو آج سے پچاس سال پہلے کے حالات وغیرہ کے متعلق مفید معلومات حاصل ہونگے۔

بدرالدین صاحب کو ایک فرزند اور دو لڑکیاں تھیں۔ بڑی لڑکی غلام محی الدین جاگیردار نیکنور اور دوسری منیرالدین حال قاضی پربھنی سے منسوب ہوئیں۔ اول الذکر کی دختر قطب الدین فرزند حبیب الدین تعمیر خطیب قندہار سے منسوب ہے۔ موخرالذکر کی دختر (جو نوراللہ حسینی صاحب اول تعلقدار کی نواسی ہیں) قاضی زین العابدین صاحب اول تعلقدار سے منسوب ہیں۔

بدرالدین صاحب کے اکلوتے فرزند قاضی زین العابدین صاحب سیویلین اول تعلقدار نظام آباد عالم و فاضل اور صاحب ذوق شاعر ہیں عابد تخلص کرتے ہیں اور ہمیشہ اہل ملک اور خاصکر اہل برادری کی امداد و معاونت میں سرگرم رہتے ہیں ان سے سید محمود صاحب ٹیکیالی کی دختر منسوب ہوئیں جن سے دو فرزند اور تین دختر موجود ہیں۔ ان کی موجودہ بیوی قاضی منیرالدین صاحب کی دختر ہیں جن سے ایک فرزند اور ایک دختر ہیں۔ انکا شجرہ نسب دوسرے صفحہ پر درج ہے۔

شجرۂ خاندان قاضیان اودگیر و راجورہ



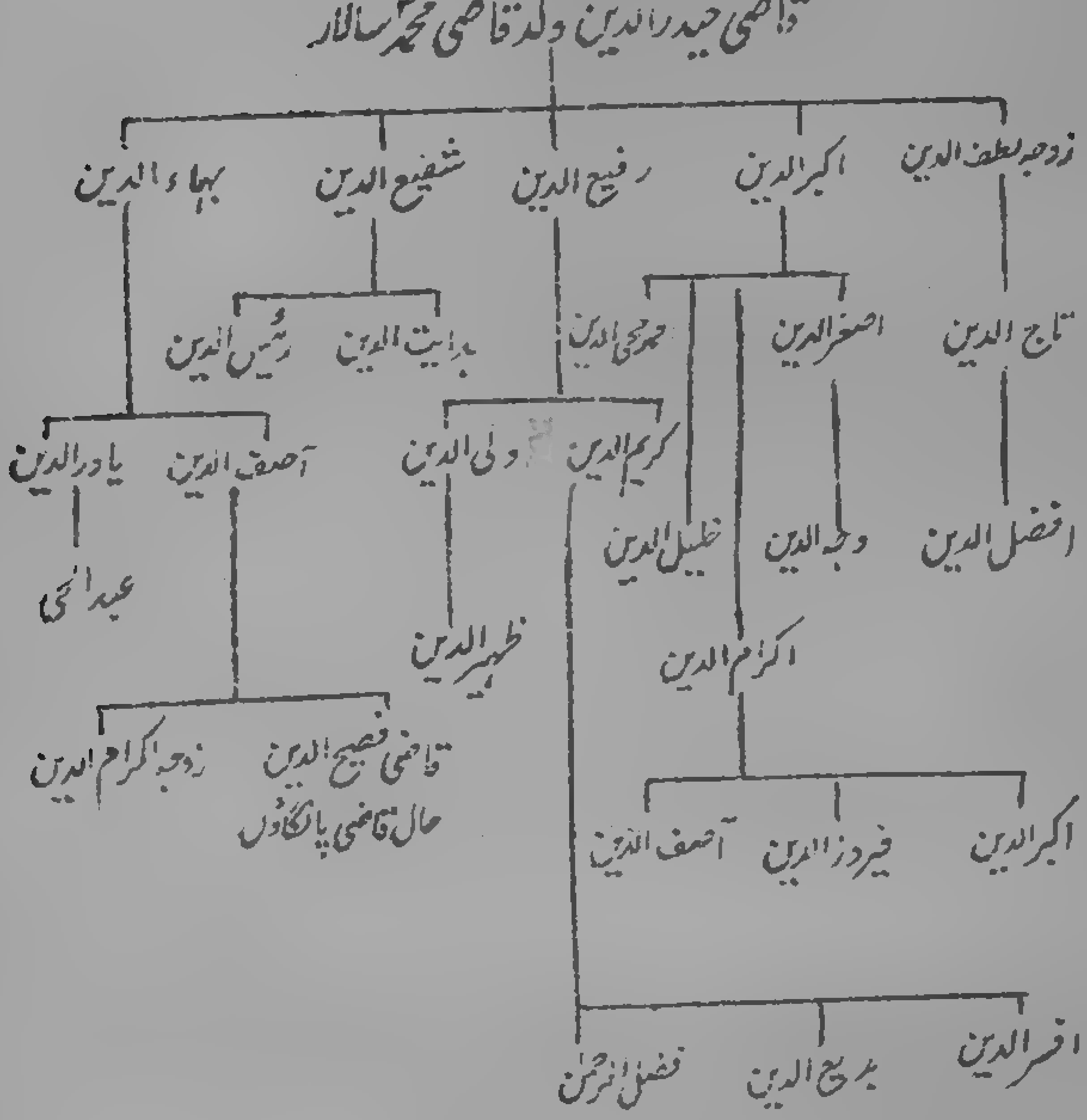
قاضیان پانگاؤں یہ بھی قاضیان اودگیر کے ہم جد ہیں ان میں قاضی محمد سالار ولد قاضی محمد معظم ولد قاضی عبدالقادر بہت مشہور تھے۔ ان کے فرزند حیدر الدین کو چار فرزند اور دو دختران تھیں ایک دختر لطف الدین محتسب پالم سے بیاہی گئیں جن کے نبیرہ افضل الدین صاحب فاروقی بیرسٹر اس وقت موجود ہیں۔ دوسری دختر صالحہ بی ہم جدی خاندان راجورہ میں بیاہی گئیں جن سے ایک فرزند بدرالدین اور دختر (زوجہ محمد اکرام الدین) ہوئے حیدرالدین کے بعد بہاؤالدین قاضی ہوئے۔ جن کے فرزند قاضی آصف الدین کو قندھار کے محتسب امین الدین داد امیاں کی دختر (یعنے مولانا شاہ بدیع الدین رفاعی کی نواسی) منسوب تھیں۔ ان کے فرزند قاضی فصیح الدین احمد صاحب اخگر اس وقت قاضی پانگاؤں ہیں یہ لائق اور صاحب ذوق ہیں اور محکمہ تعلیمات میں صدر مدرس ہیں۔

قاضی حیدر الدین کے ایک فرزند محمد اکبر الدین تھے جو مولف کتاب ہذا کے دادا تھے۔ ان کے فرزند محمد اکرام الدین صاحب اکرام ایک عالم با عمل اور اعلیٰ پایہ شاعر تھے ان کا دیوان موجود ہے۔ اکبر الدین صاحب کے دوسرے فرزند اصغر الدین سے مولانا شاہ بدیع الدین رفاعی کی پوتری یعنے دختر حضرت شاہ سیدہ ہدایت اللہ حسینی منسوب ہوئیں جن سے ایک فرزند وجیہ الدین موجود ہیں۔



مولوی سید اعظم اللہ حسینی صاحب اطہر قاضی زادہ
دیگلور جاگیردار سرن پلی

شجرۂ قاضیان پانگاؤں



قاضیان دیگلور یہ خاندان حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی اولاد ہے۔ اس کے جد امجد سید احمد فاضل شہید نواب ناصر جنگ کے استاد تھے اور بڑے مقتدر با فیض بزرگ تھے ۱۱۶۷ھ میں انتقال کیا۔ ان کے فرزند سید محمد ۱۱۶۳ھ میں پیدا ہوئے جو سرن پلی کے جاگیردار اور دیگلور کے قاضی تھے۔

انہی کے صاحبزادے سید امجد کو (جو ۱۱۹۰ھ میں پیدا ہوئے تھے) مولانا شاہ رفیع الدین نے اپنی دختر منسوب کی تھی جن سے پانچ فرزند پیدا ہوئے۔

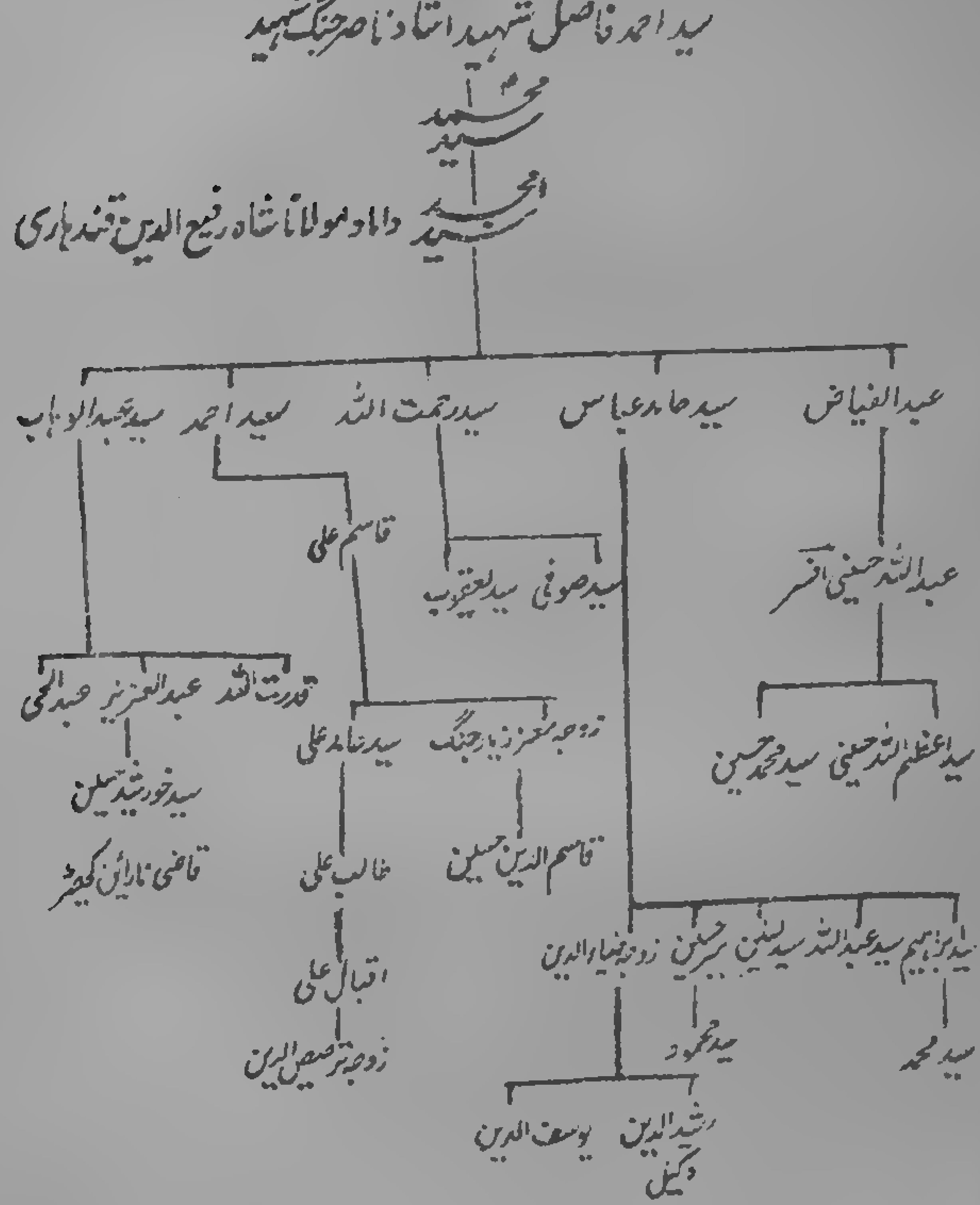
ان میں اکثروں کی اولاد اس وقت موجود ہے۔ اور ان کے نام شجرہ میں درج ہیں۔

سید امجد کے نبیرہ عبداللہ حسینی اخترؔ ولد عبدالفیاض مشہور شاعر اور باکمال بزرگ تھے۔ تاریخ گوئی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ ان کے فرزند سید اعظم اللہ حسینی صاحب اظہرؔ کے حالات اور شاعری پر تبصرہ مرقع سخن جلد ثانی میں تفصیل سے درج کیا گیا ہے ان سے حضرت مشکل آسان کے خاندان کی ایک دختر یعنے صاحب عالم سید شاہ عنایت اللہ حسینی شہید کی اکلوتی صاحبزادی منسوب ہوئیں جن سے اولاد نرینہ نہیں ہوی۔

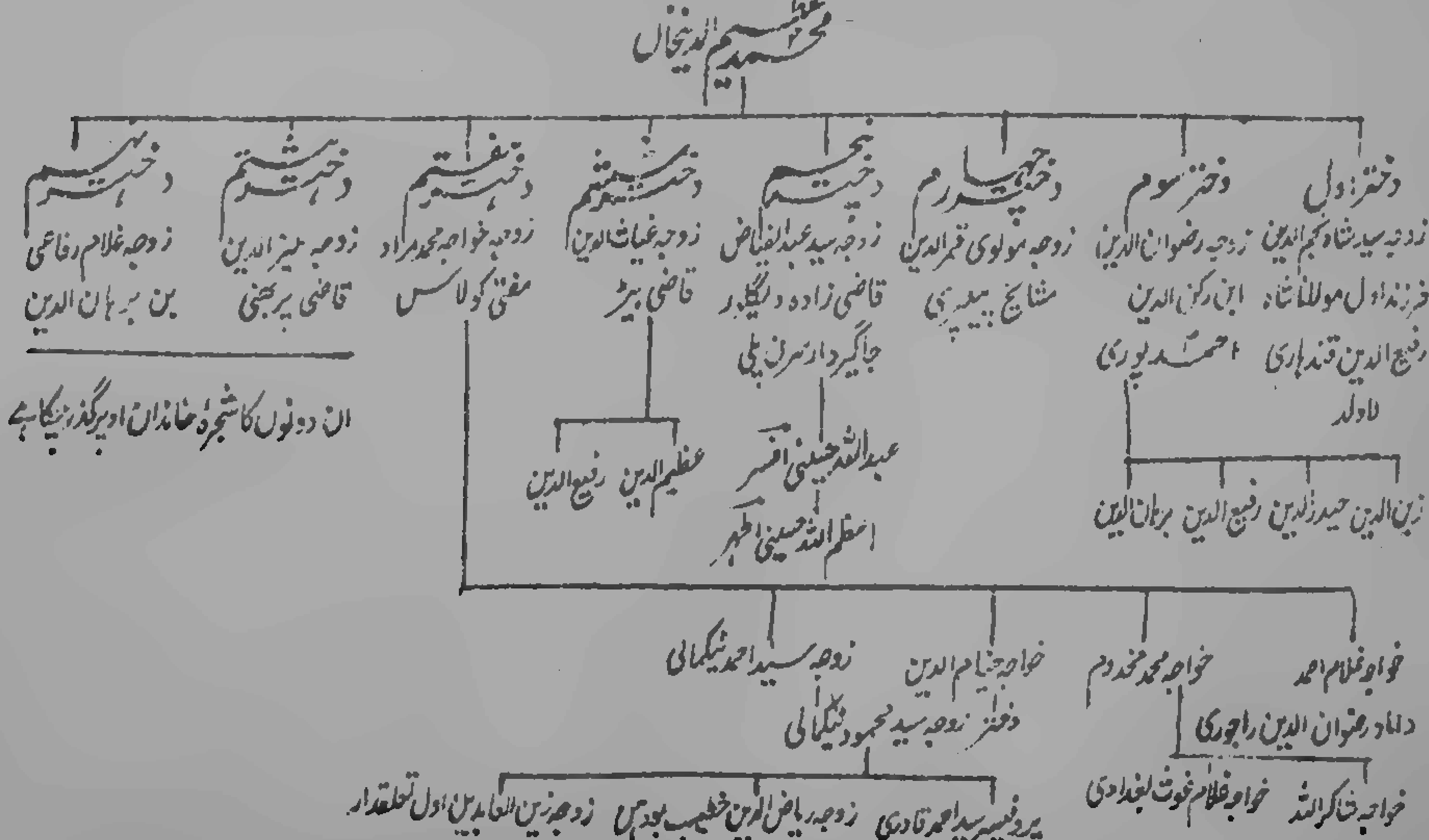
ایک دختر اس وقت بقید حیات ہیں جو غلام محی الدین صاحب راجوری سے منسوب ہیں سید امجد کے دوسرے نبیرہ قاسم علی ولد سید احمد قاضی دیگلور تھے انہی کی ایک دختر نواب معز زیار الدولہ سے منسوب ہوئیں جنکی اولاد میں نواب قاسم الدین حسین خاں صاحب کا ذکر گذشتہ عنوان میں گذر چکا ہے۔

اس خاندان کے دیگر افراد کے نام اور تعلقات اس شجرہ سے واضح ہونگے۔

شجرۂ قاضیان دیگلور



ان خاندانوں کا شجرہ جن سے اودگیر کے محمد عظیم الدینخاں کی دختراں بیاہی گئیں



نویں فصل

مختلف ضمیمے

ضمیمہ نمبر (۱)

اُن شجروں کی فہرست جو کتاب مشاہیر قندہار دکن میں بموقع بموقع درج ہیں۔

صفحہ

ضمیمہ نمبر (۲)

ان تصنیفات وتالیفات کی فہرست جو اہل قندہار کی لکھی ہوئی ہیں

(ا) ۸۵۰ھ سے قبل کی کتابیں۔

۱ مکتوبات سروری۔ (فارسی) حضرت حاجی سیاح سرور مخدوم رفاعی کے مکتوبات جنکا اردو ترجمہ منشی امیر حسین مرحوم نے چھپوایا تھا۔

۲ ملفوظات مشکل آسان۔ (فارسی) حضرت سید علی سانگڑے سلطان مشکل آسان کے ملفوظات جنکو انکے ہمشیر زادہ شاہ ضیاء الدین بیابانی نے مرتب کیا تھا اور مطلوب الطالبین میں جمع کیا

(ب) ۸۵۰ھ سے ۱۲۲۵ھ تک کی کتابیں

۳ ثمرۃ المکیہ فی طریق القادریہ العلیہ از حضرت مولانا شاہ رفیع الدین مکہ شریف میں ۱۱۹۸ھ میں لکھی گئی اور بہت مشہور ہے۔

۴ انفاس العاشقین۔ از مولانا شاہ رفیع الدین قلمی نسخہ کتبخانہ آصفیہ میں موجود ہے

۵ سلوک نقشبندیہ۔ " " "

۶ رسالۂ چشتیہ۔ " " "

۷ راحت الانفاس۔ " ۱۱۹۵ھ میں لکھی ہے۔ "

۸ انوار القندہار۔ " قندہار کے بزرگان دین کا تذکرہ۔

۹ تذکرہ نوبہار۔ " فارسی کے ممتاز شعرا کا تذکرہ مصنفہ (۱۲۱۶ھ)

۱۰ دیوان۔ مولانا کا فارسی کلام

۱۱ دیوان سروری۔ سید شاہ برہان اللہ حسینی سروری اولاد مشکل آسان کا کلام

(ج) ۱۲۲۵ھ سے ۱۲۷۵ھ تک کی کتابیں

۱۲ قانون کثرت ۔ از مولوی امین الدین کثرت برادر محتسب قندہار
۱۳ دیوان کثرت فارسی " " " کے کلام کا مجموعہ
۱۴ جمیع الجواہر ۔ اس میں حضرت کثرت کے رقعات جمع ہیں ۔
۱۵ شرح گلستان ۔ از مولانا امین الدین کثرت
۱۶ کثرت نامہ منظوم ۔ قندہار کے بعض راجاؤں کی اور دیگر حکایتیں سکندر نامہ کی بحر میں
۱۷ سوانح الرفیع ۔ مولانا شاہ رفیع الدین کے سوانح حیات مولفہ کثرت
۱۸ فواید سالار ۔ کثرت نے اپنے فرزند محمد سالار کے لئے عمدہ عمدہ حکایات لکھے ہیں
۱۹ فواید کثرت ۔ لغات فارسی، عربی و ہندی بطور نصاب کے ضخیم کتاب ہے ۔
۲۰ دیوان سالار فارسی محمد سالار برادر محتسب قندہار کا دیوان ۔
۲۱ دیوان سالار اردو " "

(د) ۱۲۷۵ھ سے ۱۳۳۵ھ تک کی کتابیں ۔

۲۲ انوار احمدی از مولانا انوار اللہ خاں بہادر فضیلت جنگ
۲۳ مقاصد الاسلام ۔ متعدد جلدیں " " "
۲۴ افادۃ الافہام " " "
۲۵ حقیقۃ الفقہ دو جلدیں " " "
۲۶ الکلام المرفوع فیما یتعلق بالحدیث المرفوع " "

۲۷ خدا کی قدرت از مولانا انوار اللہ خاں بہادر فضیلت جنگ

۲۸ رسالہ خلق افعال ایضاً

۲۹ رسالہ انوار اللہ وحدالوجود "

۳۰ " " حج "

(مولانا کے مرحوم کی اور متعدد تصنیفات و تالیفات ہیں جن کی فہرست نہایت طویل ہے۔)

۳۱ رسالہ چہل حدیث "

۳۲ رسالہ شرین الکرام "

۳۳ کتاب التوحید "

۳۴ کتاب العقل "

۳۵ شمیم الانوار "

۳۶ مناقب شجاعیہ ۔ مولانا حافظ شجاع الدین کے سوانح حیات مولفہ قاضی امیر اللہ صاحب قاضی قندہار۔

۳۷ فوائد معید " "

۳۸ دیوان معین ۔ یعنے مجموعہ کلام محمد معین الدین معین خطیب قندہار

۳۹ تاریخ قندہار دکن ۔ منشی محمد امیر حمزہ محتسب قندہار

۴۰ تاریخ کولاس " "

۴۱ روضۃ شہید ۔ سوانح حیات حضرت صاحب عالم حاجی سید غیاث اللہ حسینی شہید مولفہ منشی امیر حمزہ

۴۲ مکاشفات سروری ۔ مرتبہ و مترجمہ حضرت امیر حمزہ مرحوم

۴۳ سحر سامری از منشی امیر حمزہ ڈراما ہے جسکے دو حصے ہیں طلسم جمشید ۲ طلسم بوقلموں

۴۴ غنچہ دلیری " " یہ سب ڈرامے شایع ہوئے

۴۵ ساحر سبھا " " اور ہفتوں اور مہینوں تک

۴۶ سحر سوسن " " انفنسٹن پارسی تھیٹریکل کمپنی

۴۷ گل و بلبل " " کی جانب سے دکھائے جا

۴۸ شرار عشق " " چکے ہیں ۔

۴۹ جوہر خنجر " "

۵۰ چمنستان حمزہ حضرت حمزہ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ جسکے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں

۵۱ کلیات حمزہ یہ بہت ضخیم ہے مگر افسوس ہے کہ اب تک طبع نہیں ہوا ۔

(۵) ۱۳۳۵ھ سے ۱۳۵۵ھ (یعنے زمانہ حال) تک کی کتابیں

۵۲ دیوان علاؔ اردو یعنے مجموعہ کلام شاہ برہان اللہ حسینی علاؔ سجادۂ مشکل آسان

۵۳ سوانح حیات اردو یعنے خود نوشتہ سوانح عمری مولوی حافظ سید غلام محمد شاہ قادری زعؔم

۵۴ دیوان صغیر ۔ مولوی حبیب الدین صاحب صغیرؔ محتسب قندہار کے کلام کا مجموعہ

۵۵ بزم رنداں مرتبہ صغیرؔ حضرت علوی وسیکش کی یادگار کے سالانہ مشاعروں کے مجموعے

۵۶ اردو شہ پارے از ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زورؔ

۵۷ اردو کے اسالیب بیان ایضاً اردو نثر کی تاریخ پر تبصرہ

۵۸	محمود غزنوی کی بزم ادب	از ڈاکٹر سید محی الدین قادری صاحب زور
۵۹	تنقیدی مقالات	ایضاً تحقیقی و تنقیدی مقالوں کا مجموعہ
۶۰	تین شاعر	" میر حسن میر تقی میر اور ہوریس اسمتھ پر تنقیدی نظر
۶۱	طلسم تقدیر	" ایک نیم تاریخی ناول
۶۲	تازیانہ	" ایک طویل افسانہ
۶۳	ہندوستانی لسانیات	" اردو زبان کے لسانوی پہلوؤں پر تحقیقی نظر
۶۴	ہندوستانی صوتیات (انگریزی)	" یہ کتاب پیرس میں چھپی ہے
۶۵	گلزار ابراہیم	" مطبوعہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد
۶۶	گارساں دتاسی	" مطبوعہ ہندوستانی اکیڈیمی الہ آباد
۶۷	فن انشا پردازی	" مضمون نگاری کیلئے بہترین رہنما
۶۸	عہد عثمانی میں اردو کی ترقی	" گذشتہ پچیس سال کا مستند تذکرہ
۶۹	سیر گولکنڈہ	" سولہ تاریخی فسانوں کا مجموعہ

ضمیمہ نمبر (۳)

اشاریہ

یعنی اہل قندہار اوران کے بعض اعزہ و اقارب کے نام معہ وضاحت صفحہ

(مطبوعہ شمس المطابع ... پریس)